سلسلہ مطبوعات الٰہ آباد لٹریری و کلچرل ایسوسی ایشن الٰہ آباد

لوک گیت

اظہر علی فاروقی

قیمت:- ایک روپیہ پچاس نئے پیسے

ادارۂ انیس اردو۔ الٰہ آباد

دورِ حاضر میں نشر و اشاعت کی دشواریوں میں جس قدر اضافہ ہوا ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن نامناسب حالات کے باوجود ادارہ "انیس اردو" الہ آباد نے آنے والی نسلوں کے ادبی اور علمی شعور کو مدنظر رکھتے ہوئے پورے بھروسے کے ساتھ تالیف و تصنیف اور اعلےٰ معیاری اور تعمیری ادب کی نشر و اشاعت کی اہم ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے اور ہمیں امید ہے کہ انشاءاللہ ہماری کوششیں کامیاب ہوں گی۔

ہمیں یقین ہے کہ جس حسن نیت سے اس ادارہ نے اس سلسلہ کا آغاز کیا ہے اُسی وسعت قلب سے ہماری ہمت افزائی بھی کی جائے گی۔

سکریٹری نشر و اشاعت
ادارہ "انیس اردو"
الہ آباد

مطبوعہ:۔ جید برقی پریس بلیماران دہلی

گیت کیا ہیں ؟

گیت کیا ہیں اور کسے کہتے ہیں۔ مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں، گانا اور رونا انسانی فطرت میں داخل ہے۔ انسان خواہ شہری ہو یا دیہاتی متمدن ہو یا غیر متمدن۔ مہذب ہو یا غیر مہذب۔ پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ، عورت ہو یا مرد، جوان ہو یا بڈھا، جب اسے تکلیف ہوتی ہے تو رو پڑتا ہے۔ اور جب خوشی ہوتی ہے تو مسکراتا ہے۔ ھنستا ہے۔ کھلکھلاتا ہے اور کبھی کبھی گانے لگتا ہے، دیہاتی بھی انسان ہے، وہ بھی اپنے سینے میں ایک حسّاس دل رکھتا ہے ممکن ہے کہ شہریوں سے ٹکر نہ کھا سکے، اس کا دل بھی جذبات کا مالک ہے۔ جو انہیں گیتوں کے ذریعے تراوش کرتے ہیں۔ شہری اور دیہاتی دونوں کسی نہ کسی روش سے ان دونوں کو ضرور اختیار کرتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ شہریوں کے گیت راگ، راگنی، گت، سرگم۔ ستار۔ سارنگی۔ طبلے اور ہارمونیم کے رہینِ منّت ہیں، مگر ایک دیہاتی ڈھولک، دھڑک اور ان کے نہ ہونے پر تھالی، کُٹیا، گھڑے، دست پناہ ہی سے سُر ملا لیتا ہے۔ لیکن شہریوں کی طرح وہ ان آلات کا تابع نہیں۔ کسان کھیت میں ہل جوت رہا ہے۔ اور

الاپ رہا ہے

"بیلا پھولے آدھی رات، گجرا میں کہی کے ڈالوں"

گیتوں کا وجود

صاف ظاہر ہے کہ گیت فطری ہیں، انسان تو انسان فطرت کی کوئی چیز اس سے خالی نہیں۔ پانی کے جھرنے گاتے ہیں۔ پتے کھڑکھڑا کھڑکھڑا کر ناچتے ہیں۔ کلیاں چٹک چٹک کر طبلے کی تھاپ کی ہم آہنگی کرتی ہیں۔ سمندر کی لہریں اُٹھ اُٹھ کر داد دیتی ہیں اور جوش میں آکر بھنور کے گھنگرو پہن کر کبھی کبھی خود رقصاں ہو جاتی ہیں۔

گیتوں کی قدامت اور ان کے وقت کی تعیین

گیت کب بنے اور کس نے بنائے؟ اس کا پتا لگانا گویا آب ظلمات کو تلاش کرنا ہے۔ وقت کی تعیین، بہت دشوار ہے البتہ بعض بعض گیت ایسے ہیں جو اپنے عہد کی خاص یادگار ہیں، اور وہ اس طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ خاص خاص اسلحہ، ہتھیار، لباس پوشاک، زیوروں کے نام اور کھانوں وغیرہ کا ذکر کچھ اس طرح آجاتا ہے جو اپنے عہد کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر چند واقعات لیجیے مثلاً جن گیتوں میں اس قسم کا بیان ہے کہ لڑکی شوہر کی تلاش میں خود سرگرداں ہے۔ یا اپنے باپ کے انتخاب پر نقد و نظر کا حق رکھتی ہے یا اپنے بزرگوں سے اپنی شادی کی التجا کرتی ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ گیت اس عہد عتیق کی یاد دلا رہے ہیں۔ جب قدیم ہندوستان میں سوئمبر کی رسم تھی۔ اسی طرح جن

گیتوں میں مغلوں سے لڑنے اور ان کو پکڑنے اور جنگ کرنے کا ذکر ہے وہ عہد اسکی یادگار ہیں۔ انگرکھا، کلاہ، چوڑیدار پاجامہ، جامہ وغیرہ کا ذکر مغلیہ عہد کی یادگار ہے۔ ڈھال تلوار، تیر، کمان وغیرہ انگریزی حکومت سے پہلے کی چیزیں ہیں، اب ہر شخص ان کو نہیں رکھ سکتا۔ یہ گیت جس میں یہ ذکر ہے کہ

"سوتن ریل میرے پیا کو لے کر بھاگ گئی"

انگریزی عہد حکومت کی یادگار ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس سے پیشتر ریل گاڑی کا وجود نہ تھا۔ سوئمبر کی رسم سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ گیت بہت قدیم ہیں اتنے قدیم کہ جب سے بنی نوع انسان نے اپنا قدم روئے زمین پر رکھا اسی وقت سے گیت معرض وجود میں آگئے۔

یہی حال ان کے بنانے والوں کا ہے، دیہاتیوں میں نام و نمود کی دلدادگی بالکل نہیں، اگر ان کے پاس غالب سی فلسفیانہ ذہنیت اور اقبال جیسا دماغ نہیں ہے تو نہ سہی، لیکن ان کے پاس وہی دل ہے جو ان شاعروں کے پاس، وہ جذبات سے اسی طرح متاثر ہوتے ہیں جس طرح ایک شاعر اور ادیب اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ شاعر شہرت کا دلدادہ اور جاہ کا طالب ہے۔ وہ کچھ کہتا ہے اس کی داد چاہتا ہے۔ گھریلو گیت بنانے والا فانع ہے اتنا قانع کہ اس نے اپنا نام تک ظاہر کرنے کی کبھی کوشش نہ کی اور اسی لئے کوئی تخلص بھی نہ رکھا اور نہ اس بات کا پتہ لگا کہ گیت کس نے بنایا۔

گیتوں کی نوعیت اور تشکیل پر غور کرنے سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے

ہے کہ گیتوں کی دنیا میں مردوں سے زیادہ عورتوں نے کام کیا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ گیت ان ہی دیہاتیوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ اور ان میں نیچر نے ہر فرد بشر کو یہ قدرت بخشی ہے کہ وہ اپنے گیت گڑھ لے۔

گیت اور شاعری دیہاتی گیت اگرچہ وزن، ردیف اور قافیئے کی قید سے آزاد، صحرائیوں کے دلوں کی گہرائی سے نکلتے ہیں اور بظاہر ان میں اور شاعری میں کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی لیکن اگر یہ خیال درست ہے کہ

"احساس جب الفاظ کا جامہ پہن لیتا ہے تو شعر بن جاتا ہے"

یا یہ کہ:-

"جو چیز دل پر استعجاب، حیرت یا جوش پیدا کرے وہ شعر ہے"

تو دیہاتی گیت یقیناً شعر ہیں اور ان کا شمار شاعری میں کیا جا سکتا ہے۔ شاعری کی دنیا میں اولاد ہونے کی مسرت اور اولاد سے محرومی پر جس قسم کی حسرت کا اظہار کیا گیا ہے، وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ اب ذرا دیہاتی شاعری میں بانجھ عورت کے جذبات ملاحظہ ہوں۔

ساس موری کہے بنجھیا — نند برج باسنؔ ہو
رام جن کی میں باری بیاہی — ادئی گھر سے نکارن ہو
گھر سے نکری بنجھیا — جنگل بیچ ٹھاڑی ہو

بانجھ عورت آپ بیتی کہتی ہے کہ میری ساس مجھ کو بانجھ کہتی ہے اور نند برج باسن

ؔ ایک قسم کا کیڑا جو سانپ کی طرح ہوتا ہے مگر اس کے پنکھے نہیں ہوتے۔ برسات میں پیدا ہوتا ہے اس کا رنگ غالباً سُرخ ہوتا ہے۔

بناتی ہے۔ میرے شوہر جو میرے لئے رام کی مانند ہیں اور جن سے میری شادی بچپن میں ہوئی تھی، اُنہوں نے مجھے گھر سے نکال دیا، اس لئے میں جنگل میں آکر کھڑی ہو گئی ہوں (کہ مجھے کوئی درندہ کھا جائے) کیا یہ گیت بانجھ عورت کے احساسات اور جذبات کی سچی تصویر نہیں ہے؟

کیا شاعری اس سے بہتر صورت پیش کر سکتی ہے؟

یہ ضرور ہے کہ گیت ردیف اور قافیے سے آزاد ہیں اور شاعری ان کی مقید ہے، گیت دلی جذبات ہیں جن میں آورد کا نام نہیں اور شاعری محض آورد اور تصنع کا نام ہے۔ گیتوں میں جذبات ہیں جو دل سے نکلتے ہیں اور شاعری میں الفاظ ہیں جو کہ شاعر کے دماغ کی تخلیق کے رہین منت ہیں۔ بمست اَلست صوفی جب کیف میں سرشار ہوتا ہے تو شاعری اس کے جذبات کی ترجمان اِس طرح بنتی ہے۔

پایا نہ یوں کہ کرتے اس کی طرف اشارہ
یوں تو جہاں میں ہم نے اس کو کہاں نہ پایا

وہ اس کو ڈھونڈھتا ہے لیکن اس کا پتہ نہ پا کر چپ ہو جاتا ہے۔

بہت ڈھونڈھا یہ کھوج اس کا نہ پایا

اب ذرا ایک دیہاتی گیت میں اس جذبے کی تصویر دیکھئے۔ ایک عورت اس جذبے سے سرشار ہو کر نا امید نہیں ہوتی بلکہ اس کی محبت اِس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ وہ کوئی اجنبیت محسوس نہیں کرتی اور زور زور سے چلّاتی ہے

آنگن مورے آئی جاؤ اللہ میاں

کاہے سے اُٹھاؤں اللہ تری مسجد	کاہے سے اُٹھاؤں علی تیرا روضہ
(مسجد)	(روضہ)
اینٹن اُٹھاؤں اللہ تری مسجد	کنکر اُٹھاؤں علی تیرا روضہ

آنگن مورے آئی جاؤ اللہ میاں

دونوں کے جذبات کس حد تک ایک ہیں، ان ہی جذبات کی ایک دوسری تصویر ملاحظہ ہو۔ شاعر اپنے محبوب کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے، وہ رات اختر شماری میں بسر کرتا ہے، دن اس کی گلی کی خاک چھاننے میں گزار دیتا ہے، اس کے غمزوں کے اشاروں سے مرجاتا ہے، اس کی ٹھوکر سے جی اُٹھتا ہے اس پر جان قربان اور دل نثار کر دیتا ہے، دیہاتی دنیا میں عورت اپنے محبوب کے لیے کیا کرتی ہے وہ وہی باتیں کرے گی جن کو درحقیقت وہ کر سکتی ہے یا جن کا کرنا ممکنات سے ہو، وہ بے سر پیر کی باتیں اڑانا نہیں جانتی۔ نمونہ اسی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

جو مورے سیاں کو بھوکا لگے گی	آؤ رسیاں کے بیچ، کروں توری مہمانی
جو مورے سیاں کو پیاسا لگے گی	آؤ صراحی کے تیر، پیاؤں تو ہے پانی
جو مورے سیاں کو تلبا لگے گی	آؤ دھوبے کے تیر، رچوں تورے ہونٹوں پہ لالی
(طلب)	(یا مں میں)

ایک ہندو لڑکی کے جذبات ملاحظہ ہوں، اس کی شادی ہو چکی ہے۔ مگر گونا نہیں

نہیں ہوا۔ باپ غریب ہے، جہیز وغیرہ حسب منشا فراہم نہ کر سکا۔ لڑکی اپنی حالت دیکھ کر دل ہی دل میں کیا سوچتی ہے۔ آپ غور فرمایئے کہ اس کے جذبات کس قدر فطری ہیں۔

سندر سی ساری میلی بھئی (ہوئی) میکے میں
کالے جے ہیں اے جائیں گے (گنوں (گونا) مان ایں

دور دیسا سے آئے براتی — سنگھ مال لائے کہرا، ہوئی رام۔۔
نا ایسے گن ڈھنگ نا ایسے جوبنا — نا ایسو بہو گہنوا اس رام۔۔۔۔۔۔
گھونگھٹا کھول جب سیاں منھ دیکھاں — کوہنے کر لیو ڈ ہہنوا رام۔۔۔۔۔۔

یہ ہیں وہ جذبات جو دل سے نکلتے ہیں، اس لئے گیت فطری ہیں، اور شاعری غیر فطری۔ شاعری میں فلسفہ ہے اور گیتوں میں بھولے پن کی سیدھی سادی باتیں۔ شاعری سجع، قافیہ، ردیف اور صنائع کی قیدوں میں جکڑی ہوئی ہے تشبیہ اور استعارے کی بھول بھلیوں میں پھنس کر رہ گئی ہے۔ منطق اور فلسفے سے پُر ہے جس کو سمجھنے کے لیے وہی لوگ درکار ہیں جو اس سے واقف ہوں اور بمصداق

"A Milton is required to understand Milton"

"ملٹن کی باتیں سمجھنے کے لیے ملٹن کی ضرورت ہے"

گیتوں میں خلوص ہے اور شاعری میں تصنع اور مبالغہ، یہی وجہ ہے کہ شاعر کو خود اپنے اوپر اعتماد نہ رہا۔

میں زباں سے تم کو سچا کہو لاکھ بار کہہ دوں — اسے کیا کروں کہ دل کو نہیں اعتبار ہوتا

گیتوں کی زبان گیتوں کی زبان دیہاتی اور ٹھیٹھ ہوتی ہے۔ مقامی لب ولہجہ کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف مقامات کے گیتوں کی زبان تھوڑے بہت تفاوت سے جداگانہ ہوتی ہے۔ گیتوں کی زبان کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ جو الفاظ دیہاتیوں کی زبان پر منجھ جاتے ہیں، وہی استعمال کرتے ہیں، نہ وہ متروکات کے قائل ہیں اور نہ وضع اصطلاحات اور الفاظ کے وہ شہر نہیں سہر استعمال کریں گے، انہیں نگر کی پروا نہیں، وہاں محل کی جگہ بھون نے نہیں لی ہے۔ چٹھی پتر سے نہیں بدلی گئی۔ سندیس سندیش میں تبدیل نہیں ہوا۔ حال احوال، سماچار میں نہیں بدلا گیا۔ بھنبھی نے بھگتی کی صورت نہیں دیکھی، وہ رستم اور افراسیاب کی داستانیں نہیں گاتا۔ وہ کنھیا لال جی کی جے بولتا ہے وہ ملک کو دیش سے نہیں بدلتا۔ حالت پر دشا کو ترجیح نہیں دیتا بعض بعض گیت تو اتنے صاف اور سادہ ہیں کہ شاید سارے ملک میں سمجھے جا سکتے ہیں۔

سادگی الفاظ کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

اللہ میاں ہمیں نہ دل سے بھول
سب پھولوں میں پھول بڑو ہے سب سے بڑا گلاب
سب کپڑوں میں کپڑا بڑو ہے سب سے بڑا رومال
اللہ میاں ہمیں نہ دل سے بھول

لمبی لمبی دھوتیا پہ اودی اودی پگیا — ہم جانا رجپوت

جات کا بہنا مری گوئیاں　　دگا چھل دے گیو میری گوئیاں
(ذات)　　　　　　　　　　(دغا)
دلی شہر کی لاگی بجریا　　ہم جانا کچھ لے ہے لبساتی لاؤ روپیا
(بازار)

جات کا بہنا مری گوئیاں　　دگا چھل دے گیو مری گوئیاں
سام ہوئی دن جانے لگا　　ہم جانا کچھ کہی ہے مری گوئیاں
دھنن لاگو ردیا　　دگا چھل دے گیو مری گوئیاں

سادگی الفاظ کا بہترین نمونہ لوریاں ہیں جن سے دیہاتی اور شہری دونوں واقف ہیں۔ محاورات کی برجستگی کا نمونہ یہ ہے۔

چور چراوے مال کھجانا (خزانہ)
پیا چراوے سکھی نینوں سے نندیا (نیند)

ماروں گا بے ماروں گا　　جا دلی پکاروں گا
دہلی ہے تو کالے کوس　　وہاں پڑی ڈھلم کی چوٹ

نیند چرانا۔ کالے کوس ہونا۔ دو محاورے کس برجستگی اور بے تکلفی سے استعمال ہوتے ہیں، اسی طرح آنکھ لڑنا۔ تقدیر پھوٹنا۔ بھاگ بگڑنا۔ دل چرانا۔ چت چور بننا، ڈس لینا۔ آنکھ دکھانا۔ ناگن بننا۔ گود بھرنا۔ پیر بھاری ہونا۔ آٹھ آٹھ آنسو رونا، آنسو پینا، دل پتھر ہونا۔ چھاتی بجر کرنا۔ آنکھ لگنا۔ وغیرہ صدہا محاورات نہایت خوبی سے استعمال ہوئے ہیں۔

اسی طرح فارسی اور عربی زبان کے صدہا الفاظ اور فقرے دیہاتی

گیتوں کی زبان میں کھپ گئے ہیں، جو یا تو اپنی اصل حالت پر ہیں یا کچھ بدل گئے ہیں۔ ش۔ ق۔ ز۔ غ کے تلفظ میں البتہ فرق نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر محل۔ طالب (تلبیا) صراحی۔ مسجد۔ روضہ۔ دغا (دگا) بازار (بجریا۔ بجار) شہر۔ ذات۔ ظالم۔ زچہ۔ حکم۔ خطا۔ شیش محل۔ تعویذ۔ گلوبند۔ رنگ محل امرت، اذیت۔ خس۔ اطلس۔ طعنہ۔ مخمل۔ عمر۔ شوخ۔ طاق۔ حویلی۔ موزہ۔ جامہ۔ عمامہ۔ ناحق۔ بدنام۔ مرضی۔ زین۔ ساز۔ خوب۔ مہر امرار۔ کاغذ۔ زلف، تیغ۔ تیغا۔ نیزہ۔ پیک۔ عرض۔ قدم۔ اسوار (سوار) وطن۔ آسک۔ (عاشق) تکبیر (تقصیر) ان میں بعض بعض الفاظ کے آ جانے سے ان گیتوں کے عہد پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً ایک گیت میں سکلاتی کا لفظ آیا ہے۔

پائن سوہے سکلاتی جوتا، موجے بیں جھبی آئی

بنا ہیرا کھوب بنا

"پیر میں سرکلاتی (مخملی) جوتا زینت دے رہا ہے اور موزہ خوبصورت لگ رہا ہے۔ دولھا بہت اچھا معلوم ہوتا ہے" یہ لفظ انگریزی کے لفظ سکارلیٹ (Scarlet) سے بنا معلوم ہوتا ہے اور اس کا استعمال اس عہد کی یاد دلاتا ہے جب ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی اس کی تجارت کرتی تھی، ان باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ گیتوں کی زبان بھی فطری ہے اور فطرت نے جس طرح زبان کی تشکیل کر دی وہ اسے اختیار کر لیتے ہیں انہیں نہ آورد سے کام ہے اور نہ تعصب اور جانبداری سے

غرض ہے۔

گیتوں کا طرز ادا | جس طرح گیتوں کی زبان صاف اور سادہ ہوتی ہے اسی طرح ان کا طرز ادا بھی سادہ اور شستہ ہوتا ہے۔ دیہاتی گیتوں میں تکلف اور تصنع کا کہیں پتہ نہیں، وہ اپنے مطلب کو الفاظ کی بندشوں میں نہیں جکڑتا، دور از کار تشبیہوں سے کام نہیں لیتا۔ استعارے کی بھول بھلیوں میں نہیں ڈالتا، اس کے دل پر جو کچھ گذرتی ہے۔ یا آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے اسی کو ہو بہو کہہ ڈالتا ہے۔ بھولی بھالی لڑکی سسرال جاتی ہے وہاں اس کی کیا حالت ہے، اس کے کیا جذبات ہوتے ہیں۔ ان کا اندازہ ایک دیہاتی گیت سے کیجئے اور دیکھئے کہ طرز ادا کس قدر سادہ، صحیح اور دل کش ہے۔

بھور بھیئے ہمیں نندیا آوے ساس جگاوے بین کو، ہمیں میا کی یاد آوے
(صبح ہوتے) (نیند) (پیسنے) (ماں)

" " " " " جٹھانی روٹی کو ٹیرے، ہمیں بھوجی کی یاد آوے
(بلائے)

" " " " " نند ہمری گڑیا کھیلے، ہمیں بہنی کی سدھ آوے

" " " " " جب ہیں دیورا گھر میں آویں ہمیں برنا کی یاد آوے
(جب کبھی دیور) (بھائی)

" " " " " جب ہیں سسر گھر آویں، ہمیں بابل کی یاد آوے
(باپ)

ساس موری مارے نند گریا وے، میں ٹھاری ماروں ڈڈکار......

اسنئن میری مارتی ہے۔ نند گالی دیتی ہے۔

مرد، پردیس نوکری کے لئے جا رہا ہے، اس کی بیوی اپنے جذبات کس سادگی سے ادا کرتی ہے۔

کیسے کٹیں گے دن جتن بتائے جاؤ......

جو تم سیاں میرے جاؤ چکر یا اپنی صورت میری یہیاں لکھائے جاؤ

(چاکری) جتن بتائے...... جاؤ

ایک دوسرا نمونہ خلوص اور محبت کے جذبات کا ملاحظہ فرمائیے۔

میرے ساجن! تم کو پردیس ہی جانا تھا

تو اے ساجن! میرا گونا کیوں لائے

کس کے ہاتھ چٹھی لکھ کر بھیجوں اور کس سے سندیس کہلاؤں

کوے سے چٹھی بھیجوں اور پنچھی سے سندیس کہلاؤں

یہ تو ہیں وہ دلی جذبات جو سیدھے سادے الفاظ میں ادا کر دیے گئے ہیں اب ذرا دیہاتی گیتوں میں تشبیہات، کنایہ اور استعارات کا جائزہ لیجئے۔ تو معلوم ہوگا کہ ان کی تشبیہوں میں بھی سادگی ہے۔ لطافت کے ساتھ ساتھ واقعیت کی جھلک نظر آتی ہے۔ دیہاتی گیتوں میں مشبہ بہ اُن کا دیکھا سنا۔ اور اصلیت سے بہت قریب ہوتا ہے۔ گول بھرے ہوئے اور گورے چہرے کو چاند یا پورن ماسی کے چاند سے تشبیہ دی جاتی ہے اور بہت بڑھاپا تو سورج کہہ دیا۔

چندا سورج اُس بہنی   چاند سورج جیسی خوبصورت بہن

جر جر بھئی کوئلیا   جل جل کر کالی کوئل ہوگئی

بیٹی کو گائے سے یا چڑیا سے اس معنی میں تشبیہ دینا کہ جس طرح گائے رات بھر کھونٹے سے اور چڑیا درخت پر بسیرا لے کر صبح چل دیتی ہے۔ اسی طرح بیٹی میکے میں رہ کر سسرال چلی جاتی ہے۔ اسی طرح کنواری لڑکی کو جنگل میں پھیلی ہوئی بیل سے تشبیہ دینا کس قدر معنی خیز ہے۔

بن ماں پھولی بیلیا اب روپ اگاری

(میں) (بیل) (بہت) (اُگی ہے)

ملیا ہاتھ پسارا تو ہو جئے ہماری

(مالی) (ہے)

جوانی کے جلد گذر جانے کو کمان سے نکلے ہوئے تیر سے، آنسوؤں کو ندی سے، الفاظ کو تیر سے، سنگدل کو لوہے سے، بڑی آنکھوں کو ہرن کی آنکھ سے، آم کی پھانک سے، بھوؤں کو کمان سے، ماں کے تقدس کو گنگا سے تشبیہ دینا واقعیت سے کس درجہ قریب ہے۔

دیہاتی گیت بنانے والا موزوں، سفید، چمکدار دانتوں کو موتی نہیں کہتا۔ وہ دُرِ آب دار سے ناواقف ہے، وہ انار دانہ نہیں جانتا۔ وہ ایسے دانتوں کو تشبیہ دیتا ہی باریک سفید چمکدار چاولوں سے۔

ہتو موں سندی کا اونٹھوا۔ چاوَر اُس دنتوا

(سند) (ہونٹ) (چاول جیسے دانت)

لمبی اور گرد داڑھی کو سوپ سے تشبیہ دینے میں جو اصلیت اور طنز ملیح ہے، اس کا لطف ذوق سلیم سے پوشیدہ نہیں۔

ذرا ان دو تشبیہوں سے لطف اٹھائیے اور تخیل کی داد دیجیے۔

جوان لڑکی کسی ننھے بچے سے بیاہی گئی، اس کے دو دیور ہیں۔ آپ نے چھوٹے آدمی کو ٹھِنگا سا آدمی کہتے سنا ہوگا۔ یہاں اس سے بڑھ کر لطف پیدا ہو گیا وہ لڑکی اپنے دیوروں اور شوہر کو کیا سمجھتی ہے۔

جیٹھوا اُس دوئی دیورا ہمرے — جوئیں کی طرح دو دیور ہمارے
مُسوا اُس بلما ہمار، موری گوئیاں — چوہے کی طرح ہمارے شوہر ہیں
اے میری سہیلی (سن)

اتحادِ دل کی مثال ملاحظہ فرمائیے۔

جیسے دودھ میں پانی ملت ہے — اکیسے ملوں تورے ساتھ
(ویسے)

جیسے آکاس میں چڑیا اُڑت ہے — اوئیسے اڑوں تورے ساتھ
(آسمان)

آتش غم میں جل جل کر زندگی گذارنے کی تشبیہ ملاحظہ ہو، کس قدر لطیف ہے۔

لوہا جرے جیسے لوھرا دکنیارے — موری بہنی جرے سسریارے
(جلے) (لوہار، دکان) (میری بہن) (سسرال میں)

باتوں کو دل سے بھلا دینے کا خیال کس لطیف پیرائے میں ادا کیا گیا ہے

سب دکھ باندھ بھیا اپنی موٹریا رے نا
(گٹھری)

بھیّا ندی بہائی دیو رے نا
(ندی میں بہادو)

شوھر کو بھونرے سے، پریم اور پیار کو، رس بروا (بارآور درخت) سے۔ بوڑھے شوہر کو اجگر سے استعارہ کرنا کس قدر بلیغ ہے۔ پانچ سال کی لڑکی کی شادی اَسّی برس کے بڈھے سے ہو رہی ہے۔ گھر کی بڑی بوڑھی، لڑکی سے باہر نکلنے کو کہتی ہے اور بڈھے کو اجگر بناتی ہے۔

نکرنہ آؤ تو موری رنگ رنگیلی اجگر ٹھاڑھو دوار
(نکل) (میری) (اکھڑا۔ دروازے پر)

اسی طرح اگر غور سے دیکھا جائے تو دیہاتی گیتوں میں صنائع لفظی اور معنوی بھی پائی جاتی ہیں، اگرچہ بہت کم۔ لطیف کنائے بھی موجود ہیں۔ مثلاً نند کے بھائی، ناؤ کھوریا، پار لگیا، چت چور، من ہریا، شوہر کے لئے۔

زبان اور بیانی خوبیوں کے علاوہ گیتوں کا طرزادا اکثر و بیشتر مکالموں کی صورت میں ہے اور ہر گیت سے مستقل طور پر کہانی کا لطف حاصل ہوتا ہے، مکالمے ساس، بہو، ماں، بیٹی، یا عورت اور کسی راہ گیر وغیرہ کے درمیان ہوتے ہیں اور اسی طرح مزے مزے کے نکات اور خوش آیند نصائح اخذ کیے جاتے ہیں۔ مثلاً اس بات کو دکھانا ہے کہ عورت کے لئے اس کی عصمت اور لاج سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں اور یہی چیز اس کی

کی شان ہے۔ ایک مکالمے کے ذریعے اس طرح دکھایا ہے۔
چکی پیستے ہوئے ایک عورت رو رہی ہے۔ اتفاق سے کوئی منچلا راہ گیر اُدھر سے آنکلا، اور دلجوئی کر کے پوچھنے لگتا ہے کہ تم کیوں رو رہی ہو۔
عورت نے کس لطیف کنائے میں اپنے شوہر کا ذکر کر کے کہا کہ میں اُن کے لئے رو رہی ہوں۔

دوآرے نارنگیا گاچھ پھولئ بارہو ماس
(دروازے پر نارنگی کی جھاڑیاں لگی ہیں جو بارہ مہینے پھولی رہتی ہیں)
جیکر وردھیا بٹیا جوہی لارے گی
(جن کے فراق میں میں راہ دیکھ رہی ہوں)

راہگیر، عورتوں کی سیرت کا ماہر معلوم ہوتا ہے۔ اس نے سونے اور موتیوں کے لالچ کا جال بچھایا، عورت پاک دامن تھی، دیہاتی تھی، تاڑ گئی اور کس بری طرح پھٹکارتی ہے۔

"آگ لگے سون وال میں بجر پڑے موتیاں
سونا (بجلی گرے موتیوں پر)
"ست چھوڑے کیسے پت رہی ہے رے گی"
(سچ) (عزت رہے گی)

اسی بات کو کسی ہندی شاعر نے اس طرح کہا ہے۔

ست مت چھوڑے باورے ست چھوڑے پت جائے
(احمق)

گیتوں کی دنیا میں نیچر کی تمام چیزیں بولتی ہیں، دکھیوں کے درد سے آگاہ ہیں، عورت شیرنی سے بات کرتی ہے وہ اس کا جواب دیتی ہے۔ توتا بَر تلاش کے لئے نکلتا ہے، وہ شوہر کے اوصاف جانتا ہے۔ کوّا پیام رسانی کرتا ہے۔ خط لے جاکر اس کا جواب لاتا ہے۔ ایک بانجھ عورت کے جذبات کس لطیف پیرائے میں ادا کئے گئے ہیں۔

ساس مورے کہے بنجھیا　　ننَد برج باسن..... ہو
رام جن کی باری میں بیاہی　　ادئی گھر سے نکارن... ہو
گھر سے نکری بنجھیا　　جنگل بیچ ٹھاری... ہو

بانجھ عورت اپنی بپتی کہتی ہے کہ میری ساس مجھ کو بانجھ کہتی ہے اور نند برج باسن کہتی ہے۔ جن سے میری شادی بالے پن میں ہوئی تھی۔ انہوں نے گھر سے نکال دیا، عورت گھر سے نکل کر جنگل میں کھڑی ہو گئی..... جنگل سے شیرنی نکلی اور عورت سے ہم کلام ہوئی۔

تریا کون بپت کی ماری جنگل بیچ ٹھاڑی ہو

اے عورت تجھ پر کیا آفت آئی کہ جنگل میں آکر کھڑی ہو گئی۔ عورت نے اپنا دکھ بھرا واقعہ کہہ سنایا اور اس سے التجا کی۔

باگھن! ہمکا جو تم کھائے لیو بپت سے چھوٹب ہو۔

اے باگھن (شیرنی) اگر تم ہم کو کھا لو تو میری مصیبت حل ہو جائے۔

شیرنی جواب دیتی ہے

جہواں سے تم آئیو لوٹ ٹُھواں جاؤ تمہیں ناہیں کھائب ہو

باکھن تم کا جو ہم کھائی لیبے ہم ہوں بانجھ ہوئے بے ہو
تم جہاں سے آئی ہو وہاں واپس جاؤ، اگر میں تم کو کھاؤں گی تو میں بھی
بانجھ ہو جاؤں گی .... (گرام گیت ۔ تر پاٹھی صفحہ ۱۱)

اس طرز ادا کی داد دیجئے۔ ایک دیہاتی عورت نے اپنے دکھ درد کی کیسی سچی تصویر پیش کی ہے۔

امتیازی خصوصیات یوں تو مختلف قسم کے گیت جداگانہ خصوصیات کے حامل ہیں، لیکن عام طور پر ان میں حسب ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

(۱) نیچر کی محبت اور اس کی چیزوں کو اپنانا۔ سچ پوچھیے تو اس جگہ شاعری اور گیتوں کی حدیں بالکل مل گئی ہیں۔ گیتوں کی دنیا میں پھول مسکراتے ہیں۔ پودے بات کرتے ہیں۔ جانور اور پرندے ہمراز ہیں، وہ دکھیوں کو تسلی دیتے ہیں، دیہاتی عورت اپنے محبوب کی جدائی میں تڑپ رہی ہے وہ اَن پڑھ ہے، وہاں نہ ریل ہے اور نہ تار، وہ خبر بھیجنا چاہتی ہے۔ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ وہ کیا ذریعہ اختیار کرتی ہے اور اس خدمت کا کیا صلہ پیش کرتی ہے۔

کاہے سیاں میرا گون لئے آئے، تم تو چلے پردیس
کہ کے ہاتھ چٹھی لکھ بھیجوں کہہ کے ہاتھ سندیس
کاگا ہاتھ چٹھی لکھ بھیجوں، پنچھی کے ہاتھ سندیس
مور وے بیرن بھولو روا، اُڑ ہی جاؤ دیو سندیس
کاگا تم اُڑی جاؤ پہنچاؤ چٹھیا پردیس

اس کے عوض میں وہ کوے کے لئے دودھ بھات اور بھونرے کے لئے شہد

پیش کرتی ہے۔ اس نوعیت کے دوسرے پرندے یہ ہیں۔

(۳) چیل۔ سرگ اڑت تھوں چلھیا لگو موسی ہمار

(آسماں میں اُڑتی ہوئی چیل میری خالہ لگتی ہو)

(۴) توتا سرگ اُڑت تھوں سگنا لگو برنا ہمار

(توتا) (بھائی)

ساون سگنا میں گڑ گھی پایوں چیت چنا کی دال

اب سگنا تو بھیو سگیوا بیٹی کا بر ھیر لی جاؤ

کسی عورت نے توتا پالا اس کی لڑکی جوان ہوگئی ہے۔ بر کی تلاش ہے وہ توتے کو اس طرح سمجھاتی ہے۔ اے توتے میں نے تجھے ساون میں گڑ کھلا کر اور چیت میں چنے کی دال کھلا کر پالا، پرورش کیا۔ اب تو سوجھ بوجھ کا ہوگیا ہے جا بیٹی کے لیے بر تلاش کر لا!

(۵) شیاما۔ ارے ارے شیاما چریا جھروکھوا منتی بولیہ...

موری چرئی ارے موری چرلی سرکی بجیہ بنجر وا...

جگائی لے آیئو۔ منائی لے آیئو

کوئی بنجارن ہے جس کا بنجارا سنئی کے کھیت میں پڑا سو رہا ہے

شیاما چڑیا سے خطاب کرتی ہے۔ اے شیاما چڑیا!

جھروکھے میں مت بولو بنجارے کو جگا لاؤ اور منا لاؤ

(۶) گوریا۔ اڑتی چڑیا بہن موری، ایک بچن لیتے جاؤ۔

(۷) چکئی چکوا (سرخاب) دھاؤ بہن چکیا پانی بیگ لاؤ ہو
چکئی چن لیو موتیا کا ہار جمنا جل
بھیتر ہو

چکئی بہن، پانی میں غوطہ لگاؤ اور موتیوں کا ہار، جمنا کے اندر سے نکال لاؤ

(۸) مینا۔ تو چپکے چپکے بول مینا، چپکے چپکے بول
پیا مورے کب گھر آئیں گے تو......
سونے کی بندیا موتین مالا کب لائیں گے

(موتیوں)

مورے پیا گھر کب آئیں گے تو چپکے.....

اسی طرح کوئل۔ پپیہا۔ پھدکی۔ ہُدہُد کا ذکر بھی آتا ہے۔ نیچر کی جتنی چیزیں ہیں دیہاتیوں کو سب سے محبت ہے۔ ہندوستان کے تقریباً تمام دریاؤں کا ذکر آیا ہے، لیکن زیادہ تر گنگا، جمنا، بھاگیرتھی کے پانی اور اس کی پاکیزگی کا بیان بڑے شدّ ومد سے ہے۔ حیوانات میں زیادہ تر شیرنی، ناگن، ناگ، بھیڑیا۔ سیار آتے ہیں، درختوں اور پودوں میں کھجور، آم، کچنار، نارنگی، لیمو، ہنس ڈاری ڈھاک، پھلی ہوئی املی، بیلا، گگرڑی، تلسی، کامنی، گلاب، کمل، لونگ کا باغ پان کی بیل، وغیرہ کا ذکر بہت کثرت سے آتا ہے۔ تعجب ہے کہ چمیلی کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ پہاڑوں میں بندھیاچل کا ذکر اکثر آیا ہے۔

(۲) حزن ویاس۔ دیہاتیوں کے دل غم اور مصیبت کے تیروں سے چھلنی ہیں۔ عورتیں درد فراق میں تڑپ تڑپ کر اپنی عمر گذار رہی ہیں۔

بہتیرے آدھے پیٹ کھا کر یا فاقے کر کے دنیا سے چل بسے، نہ تو ان کے تن کو روٹی ملتی ہے اور نہ بدن ڈھانکنے کو کپڑا۔ ایسی حالت میں ان کے دل سے جو بات نکلے گی وہ حزن کا مجسمہ اور درد کی تصویر کے سوا کیا ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گیت زیادہ تر حزن و یاس کا مرقع ہیں اور یہی سبب ہے کہ

"دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے" کا پورا مصداق ہیں۔ لڑکی سسرال میں ہے، ساون کا مہینا ہے گھنگھور گھٹا چھائی ہے۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے۔ کوندا لپکتا ہے۔ بجلی کی چمک ہو رہی ہے، بادل گرجتا ہے۔ لڑکی درد سے تڑپ اٹھتی ہے، بھائی کی یاد ستانے لگتی ہے وہ چلا اُٹھتی ہے۔

کھجور! او لمبی کھجور، بجلی تڑپ رہی ہے
کہیں میرے بیرن پردیس نہ گئے ہوں
(یا) کہیں وہ میرے ہی پاس نہ آتے ہوں
بجلی تو اُن کا خیال کر
مجھ دکھیاری بہن پر ترس کھا
کھجور! او لمبی کھجور، بجلی تڑپ رہی ہے

بے بسی اور بے کسی کا دردناک منظر اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ بھائی بہن کے وہاں گیا، بہن غریب ہے اتنی غریب کہ اس کے پاس کھانے تک کو کچھ نہیں ہے، وہ اپنی پڑوسن سے کس طرح التجا کرتی ہے۔

میرے بیرن آئے ہیں.....

بہن! میرے یہاں آج کچھ بھی نہیں
تھوڑے سے چاول اور چنے کی دال (ادھار دیدو)
وہ آئیں گے تو پھیر دوں گی

لڑکی میکے سے رخصت ہو رہی ہے مگر زبان حال سے کہہ رہی ہے۔

کاہے کو دینو دیس پردیس سُن مورے بابل رے
ان کو دے محلا دو محلا .....
ہمکو دیا پردیس رے سن مورے بابل رے
ہم تو ببلا رے کھونٹے کی گیاں
جدھر ھانکو ھنک جائیں رے سن مورے بابل رے
ہم تو رے بابل بیلے کی کلیاں
گھر گھر مانگی جائیں رے سن مورے بابل رے
ہم تو رے بابل بیلے کی کلیاں۔ رات بسے اُڑ جائیں رے، سن مورے بابل میرے
طاق بھری میں نے گڑیاں چھوڑیں
چھوڑا سہیلین ساتھ رے ....

میکے والوں کے جذبات ملاحظہ فرمائیے۔

کوٹھے تلے سے پلکیا جو نکلی
ببلا نے کھائی پچھاڑ رے
بیرن نے کھائی پچھاڑ رے کاہے کو دینو بدیس
سُن مورے بابل رے

بیوی درد فراق سے تڑپ رہی ہے۔

ہری جنے کب آیٔہو رے اودھن شیام گھرے کب آیٔہو
چار دِن کو آوَن کہی گیئے اتنا دِنا لگیٔہو
بارہ برس پہ آیٔہو رے اودھن ہمیں جیت نہ پیہو
اوٹھی پیا بن ہیر گنی رے نبج کسے دِکھ لیہو

اے پیارے میرے مالک گھر کب آؤ گے؟ چار دن کے بعد آنے کو کہہ گئے تھے اور اتنے دن لگا دئیے (ایسا معلوم ہوتا ہے) بارہ برس کے بعد آؤ گے (مگر یاد رکھو) مجھے جیتا نہ پاؤ گے۔ تمہارے بغیر میرے شدید درد اٹھا ہے کس کو نبض دکھلاؤں! کیا آخری کڑی "تمہیں نے درد دیا ہے تمہیں دوا دینا" سے کم اثر رکھتی ہے۔ کیا لڑکی چنے کی دال اور تھوڑے سے چاول مانگ کر اپنی مفلسی اور بے بسی کا نقشہ کھینچنے میں اس سے کسی طرح کم رہی۔

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا (میرؔ)

(۳) دیہاتی معاشرت کا صحیح مرقع ہیں، اگر آپ دیہاتی معاشرت کی تصویریں دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کو گیتوں کے پردہ پر ملاحظہ فرمائیے۔ چھٹی چھلّے سے لے کر کفن دفن تک کی ہو بہو تصویریں آپ کو گیتوں میں ملیں گی۔ کسی عورت کے بچہ پیدا ہوا ہے، اپنی بدزبانی کے باعث سب کی بُری ہے۔ اپنے شوہر سے تنہائی کی شکایت کرتی ہے اور درخواست کرتی ہے کہ جاؤ اپنی ماں بہن، بھاوج میں سے کسی کو بلا لاؤ۔ تنہائی تو کٹے۔ مرد جاتا ہے دیکھیے اس کے اعزا کیا جواب دیتے ہیں۔

میا تم مری میا چلو ہمرے محل کچھ کاج تو ہی بہو آ بلاوے
پوتا تم مرے پوتا او ہی ڈائینا کے بول کریجا مورے سالیں . . . . .
ہم ناہین جیہیں ہو ؤ

اے میری ماں! میری ماں! چلیے مکان پر کچھ کام ہے، بہو نے بلایا ہے ماں نے جواب دیا اے میرے بیٹے، تم میرے پیارے بیٹے ہو، تمہاری بیوی نے ایسی باتیں کہی ہیں جو میرے کلیجے کو تیر کے مانند چھید رہی ہیں۔ جاؤ ہم نہیں جائیں گے (بہو کو ڈائن کہہ کر پکارا ہے) اسی طرح وہ اپنی بہن بھاوج کے پاس جاتا ہے مگر بیوی کی بدزبانی کے سبب سے کوئی پاس نہیں پھٹکتا۔

اس گیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بچے کی پیدائش کے وقت تمام عزیز واقارب جمع ہوتے ہیں اور سب شکوے شکایت بھی کرتے ہیں۔ بچہ پیدا ہونے پر کیا ہوتا ہے، اس کا اندازہ اس گیت سے ہوگا۔

آنگن بجت بدھیا بھیتر سکھی گاویں، بجے لگی سب نگر بدھیا
ڈہری بیٹھی ساسو ٹیا سسر دروا جے

بدھائی بجتی ہے۔ سکھیاں گاتی ہیں۔ شہنائی بجتی ہے۔ سب کام کاج میں لگ جاتے ہیں۔

اس وقت کے کھانوں میں پنجیری، حریرہ، سوٹھورا، لپٹی، کھیر آش، گلگلا، حلوے کا ذکر آتا ہے۔ بچے کے پینے کے لئے گھٹی ہوتی ہے جو آج تک برابر چلی آتی ہے، ممکن ہے، کہ پنجیری، سوٹھورا، لپٹی معدوم ہوگئی ہو

اس کے بعد شادی بیاہ کے مراسم اور اس کے متعلق اس درجہ تفصیلی معلومات ہوتی ہے کہ شاید ہی کسی دوسرے ذریعے سے ہو۔ ہندوستان میں لڑکی والے کو بَر کی تلاش میں جو دقتیں اور دشواریاں اٹھانا پڑتی ہیں، وہ سب برظاہر ہیں، اس بات کا اندازہ اس گیت سے کیجئے۔ ماں پریشان ہے وہ توتے سے کہتی ہے کہ تم جاؤ اور بَر تلاش کرو اور یہ بھی بتا دیتی ہے کہ ایک آئیڈیل شوہر کے خصوصیات کیا ہیں۔

ساون سگنا گرگھی پالیوں چیت چنا کی دال

(توتا) (پالا)

اب سگنا تو بھیو سجگوا بیٹی برھیرئی جاؤ

(ہوا، سمجھ بوجھ کا) (تلاش کرو)

جے بر سگنا تو دیکھیو سندر جیکر چال گمھیر

(جس بَر کو، تم دیکھو، خوبصورت) (جس کی) (مستانہ، مردانہ)

جے گھر سگنا تو سمپت دیکھیو واہی گھر رچیو بیاہ

(دولت)، (دیکھنا)، (اسی گھر) (بیاہ رچنا)

ہیرلوں بر ہیں سجگ سوکچھن بھر بھر منہ جوت

(تلاش کیا) (ہوشیار) (اچھے چال چلن والا) (دمک رہی ہے) (روشنی، چمک)

ساٹھ برد ہیں چنی ماں دیکھیوں وہی گھر رچو بیاہ

(بیل) (میں دیکھے) (اس)

توتے کی زبان سے شوہر کی خصوصیات اور اوصاف بتائے گئے ہیں

شریف، سمجھدار، نیک چلن، خوب صورت، جس کے چہرے پر نیک چلنی چمک رہی ہے، ساٹھ بیلوں کی کھیتی ہوتی ہے، اس کے علاوہ شوہر کے کرتبوں کی آزمائش بھی ہوتی تھی جس سے اس کے اشتیاق اور خلوص کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

"ندی کے کنارے کھڑا ہوا دولہا کیوٹ سے کہتا ہے۔ ناؤ جلد لے آؤ، اور مجھے پار اُتار دو، وہاں نہ کیوٹ ہے اور نہ ناؤ سسرال والوں میں سے کسی نے کہا اگر اتنی ہی جلدی ہے تو ندی کو تیر کر کیوں نہیں چلے آتے۔ دولہا کپڑے بھیگنے کا بہانہ کرتا ہے، ادھر سے آواز آتی ہے، کپڑے بہتیرے مل جائیں گے تیر کر چلے آؤ۔۔۔۔"

ایک زمانہ تھا کہ دیہاتی دنیا میں اس شادی کی کوئی قدر نہ تھی کہ لڑکا بیاہ نہ کرنے پر تُلا ہے اور بیاہ رچایا جا رہا ہے، غریب لڑکی اندھا دھند جھونکی جا رہی ہے۔ افسوس ہے کہ اب زمانہ بدل گیا، دیہاتی اس قسم کے گیت گاتے گاتے رہتے ہیں، لیکن ذرا بھی خیال نہیں کرتے اور بے جوڑ شادیاں کرتے رہتے ہیں۔

دیہاتی گیت

شادی بیاہ کی بات چیت کون لوگ طے کرتے تھے۔ عقد کا تصفیہ کس کے ہاتھ میں تھا، اس کو یہ گیت بتائے گا۔ لڑکی کسی بُرے گھر بیاہ گئی، وہ

غیر مطمئن نظر آتی ہے۔ مگر دیکھئے گوسنے کس کو دیتی ہے۔

باری جورہ تیوں بابل گھر کھیل تیوں سکھین ساتھ
(اگر) بچہ رہتی (تو) باپ کے کھیلتی سکھیوں کے)

داڑھی میں جاروں بھنا تیری جن موری لگن دھرائی
(جلاؤں!) (برہمن) (میری) (طے کی)

ایک دوسرے گیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں شادی بیاہ نائی اور برہمن ہی طے کرتے تھے۔

کوٹھا اٹھاؤ بروٹھا اٹھاؤ چومکھ دوار
(برآمدہ) (چودروازہ)

بڑے بڑے پنڈت اکھن آئی ہیں نہریں نہ کنتھ ہمار
(ابھی) (آئیں گے) (جھکیں) (شوہر)

شادی میں مہمانوں کی خاطر تواضع میں صدہا قسم کے کھانوں اور پھلوں کے نام آتے ہیں، بجو کے بیرٹے اور نینگے بدن دیہاتیوں کی سیر چشمی دیکھیے کہ وہ کس طرح اپنے مہمان کی خاطر کرنے کے لیئے تیار ہیں۔ یہ سب چیزیں انہوں نے شاید خواب میں بھی نہ دیکھی ہوں مگر وہ چاہتے یہی ہیں کہ کاش، ان کا دسترس ہوتا اور اس طرح اپنے مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے۔ سکھرن[۱] ساٹھی کے چاول مونگ کی دال، امرس۔ گڑ، گھی، دودھ۔ دہی۔ مٹھا[۲] ستو، لڈو اور گڑ

---

[۱] چاول۔ دہی اور گڑ یا کھانڈ [۲] گھی نکال لینے کے بعد جو چیز رہ جاتی ہے اس کو مٹھا کہتے ہیں۔

ستو۔ لڈو اور گڑ۔ گھی کی پوری، ناریل۔ سویا۔ میتھی کا ساگ۔ کترے ہوئے پانوں کی ترکاری۔ کڑھی[1] ملائی دار دودھ، دھی بھات اور ترکاری میں لونگ کا بگھار، یہاں تک تو غنیمت تھا، ان گیتوں میں کھانوں کی اتنی لمبی فہرست پائی جاتی ہے کہ ان پر مبالغے کا شک ہوتا ہے یا یہ کہ عہد قدیم میں ہندوستان کے دیہاتوں کی حالت اتنی خراب نہ تھی یا کسی شہری نے ایسے دیہاتی گیت بنا دئے ہیں۔ ایک گیت جو تلسی داس گنوار کا بنایا ہوا ہے۔ اس میں کھانوں کی فہرست اس طرح شمار کرائی گئی ہے۔

پیڑا، برفی، لڈو، امرتی، کھاجا، خرما، گپ چپ، سوہن حلوا، قلاقند، مکھن برا۔ جلیبی۔ پیٹھا، اندرسا، بوندی۔ بتاشا، کھرچن۔ بالائی۔ کھویا، پکوڑی، پاپڑ، مال پوا، لوچئی جنتہ۔ رس گلا، ترکاریوں میں ساگ پات سے لے کر کوئی ایسی ترکاری نہیں جس کا ذکر نہ ہو۔ خشک و تر میوہ جات میں بھی کوئی شے نہیں چھوڑی گئی۔ یہاں تک کہ جو چیز جس جگہ کی مشہور ہے وہیں سے منگائی گئی ہے، مثلاً سلہٹ کی نارنگی۔ پریاگ کا امرود کاشی کا لنگڑا۔ ہندوستان بھر کی ندیوں کا ٹھنڈا ٹھنڈا پانی شاید اس وقت لکھنؤ کی فجری اور ملیح آباد کا سفیدہ اتنا مشہور نہ ہوا ہو اس لئے اس کا ذکر نہیں ہے۔

شادی بیاہ کے گیتوں میں رخصتی کے گیت بہت دردناک ہوتے ہیں۔

---

[1] اس کا رواج غالباً بنگال اور مدراس میں ہو گا۔ بیسن اور دہی گھول کر نمک مرچ ملا کر ایک قسم کا سالن بناتے ہیں۔

لڑکی زبان حال سے ماں باپ سے شکایت کرتی ہے کہ اسے بہت دور بیاہ دیا۔ ماں رو رہی ہے۔ باپ پچھاڑیں کھا رہا ہے۔ بھائی بلک رہا ہے۔ نند بھاوج کا کیریکٹر دو ایک گیتوں کے سوا سب میں بُرا ہی پیش کیا گیا ہے۔ وہ کھڑی مسکرا رہی ہے۔

میا کے روئے میرا سب دل روئے
تو بھولا نے ماری ڈڈکار رے
(باپ) (دھاڑ ماریں)
بھیا کے روئے مری چھتیاں پھٹت ہیں
تو بھوجی ٹھاڑی مسکائیں رے
(کھڑی) (مسکرائیں)

میا کہیں بیٹا نت دن اُٹھ آئیو
(بیٹی) (ہر)
بھولا کہیں چھٹے چھ ماس
(باپ) (چھ مہینے کے بعد)
بھیا کہیں کاما کاج رے
بھوجی کہیں کا ہے کاج رے
(کیا) (کام)

اس گیت میں ماں، باپ، بھائی اور بھاوج کی محبت کا تجزیہ اور

فرق کس خوبی سے دکھایا گیا ہے۔

لڑکی بیاہ کر سسرال جارہی ہے اس کا دل عجیب عجیب خیالات کا آماج گاہ ہے، اس کے دماغ میں صدہا قسم کے خیالات آتے ہیں۔ آخر ساس بند کے تصور سے اس کا دل دہل اٹھتا ہے اس لیے کہ وہ سُن چکی ہے۔

شُوا نیکھی کی دُھن اُڑوے ہیں لگی ہے۔۔۔۔

ساس کی دھن لڑدے ہیں لگی ہے ۔۔۔ جہی کلجگ میں ساسو بری ہے
(یہ) (لڑنے) (ساس)

نند کی دھن سسرے ہیں لگی ہے ۔۔۔ جہی کلجگ میں نند بُری ہے

لڑکی ساس کے تصور سے رنجیدہ ہے۔ باپ نے پوچھا بیٹی تم رنجیدہ کیوں ہو۔ کیا جہیز کم ملا یا دولت کی کمی ہے، لڑکی نے جواب دیا۔

ناہیں مور بابا ان دھن تھوڑ ۔۔۔ ناہیں پایوں دہیج تھور
(نہیں میرے) (اناج دولت کم) (نہیں پایا جہیز تھوڑا)

ناہیں مور بابا سندر برناہیں ۔۔۔ سن پریں دارد لی ساس لیے
(نہیں میرے بابا سندر شوہر ہے ۔۔۔ سن پڑتا ہے سنگدل ساس ہے)

باپ دیہاتی ہے اس کے دل میں انصاف ہے وہ اپنی لڑکی کو دوسرے کے لیے بار خاطر بنانا نہیں چاہتا، اور اپنی لڑکی کو اس مساوات اور استحقاق کی تعلیم بھی نہیں دینا چاہتا۔ جو اس کی زندگی کے لیے زبون ہو۔ وہ اُسے سمجھاتا ہے۔

راجا کا راج روج رے بیٹی ، پرجا کا چھیٹے ماس

سا سو کا راج دَ سے دن بیٹی آخر راج تمہار

اے بیٹی راجا کا راج روز رہتا ہے اور پرجا کا راج چھ مہینے کا ہوتا ہے۔ ساس کا راج تو صرف دس دن کا ہوتا ہے، آخر میں تیرا ہی راج ہوگا۔

لڑکی کا گونا ہونے والا ہے، اس نے کوئی ہنر نہیں سیکھا۔ یہاں تک کہ کھانا پکانا بھی نہیں جانتی، اپنی ماں سے کہتی ہے۔

ناھیں سیکھوں میا گن او گنواں ناہیں سیکھیوں رام رسوئی
ساس و نند موری میا گریاویں موُرے بوتے سہی نہ جائی

میری ساس اور نند، میری ماں کو برا بھلا کہتی ہیں جو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا، ماں بیٹی کو، گھر کی ملکہ، بننے کی تعلیم نہیں دیتی بلکہ وہ کتنی پاکیزہ اور صلح کل تعلیم دیتی ہے۔

سیکھ لیو بیٹی گن واگنواں سیکھ لیو رام رسوئی
ساس و نند تور میا گریاویں لیہو انچرا لیساری

اے بیٹی، ہنر سیکھ لو اور کھانا پکانا بھی سیکھ لو، اس پر بھی اگر ساس اور نند مجھے بُرا بھلا کہیں تو کہنے دو، تم آنچل پھیلا کرے لینا۔

گیتوں کی دنیا میں ساس کی بدسلوکی، بدمزاجی۔ سنگدلی اور بدظنی کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے، اس کا اندازہ اس قسم کے گیتوں سے ہوتا ہے۔ پھر بھی بہو کے دل میں ساس، سسر کی عظمت ہے اور دیہاتی ماں باپ اپنی لڑکی کو ایسی تعلیم اور نصیحت نہیں کرتے جس سے وہ شوہر کے لئے بار رہو یا اس کی

زندگی کو تلخ بناتے۔

میاں بیوی میں کسی بات پر رنجش ہو گئی۔ بیوی میاں سے محبت کرنے کا حق نہیں جتاتی، وہ دعویٰ نہیں کرتی کہ اس سے محبت کرنا شوہر کا فرض ہے وہ اپنے آپ کو گھر کی ملکہ اور وزیر، نہیں ٹھہراتی، اس لئے کہ اس کے ماں باپ نے ایسی تعلیم ہی نہیں دی ہے، دیکھئے وہ کس طرح اُس کو مناتی ہے۔

مائی تو تہورے سر کی تبھیریا ہورے
بہنیا تو تہورے سر کی پگڑیا ہوئے
بھیا تو ہیں تمھری دھنی بھجیا ہورے
میں ہوں تمھرے چرن کی دھوٗیا ہورے

بہن، پگڑی اور ماں سر کی پشت پناہ اور بھائی دا ھنا بازو ہے اور اے مالک! میں تو تمھارے پیروں کی دھول (خاک) ہوں۔ بھاوج اپنی نند کو رخصتی کے وقت سکھاتی ہے اور بسی کرن منتر بتاتی ہے۔

شوہر کے پنکھا جھلو اور آنچل سے ہوا دو

لڑکا سسرال گیا، ماں نے پوچھا بیٹا، کیسے رہے اور کیا لائے۔ لڑکا جواب دیتا ہے۔

ماں میں آرام کے لئے نہیں گیا تھا
میں تو باپ کی سیوا کرتا تھا
پر تمہاری سیوا کے لئے کوئی نہ تھا

لیکن اب۔

دھنی ہو ویں داسی تہارجی
(میری بیوی تمہاری خدمت کریگی)

یہ ہیں وہ پاکیزہ جذبات اور خیالات جو دیہاتی گیتوں میں ملتے ہیں۔

میں مختصر طور پر دو باتوں کا اور تذکرہ کروں گا جو ہندوستان قدیم کی معاشرت پر روشنی ڈالتی ہیں۔ عام طور پر میاں بیوی کی رنجش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیوی میکے چل دیتی ہے، دیہاتی گیتوں میں بتایا گیا ہے کہ شادی کے بعد عورت صرف اپنے شوہر ہی کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ میکے میں اس کی گذر ہونا دشوار ہے۔

گیتوں کی دنیا میں لڑکیوں کی جو بُری حالت پیش کی گئی ہے۔ اب اس کی بہت کچھ اصلاح ہو رہی ہے اور ہو چکی ہے، اب نہ ساس گالی دیتی ہے نہ نند کوسنے۔ بلکہ مسلمانوں کے ہاں تو معاملہ بالکل برعکس ہو رہا ہے البتہ بے جوڑ شادیاں اب تک ہو رہی ہیں۔ گیتوں کی دنیا میں بے جوڑ شادی کے دو نمونے ملاحظہ ہوں۔

پانچ برس کی موری رنگ رنگیلی اسّی برس کا داماد
نکر نہ آؤ تو موری رنگ رنگیلی اجگر ٹھاڑو دوار
(نکل) (میری) (شوہر) (کھڑا دروازے)
آنگن کچ کچ بھیتر کچ کچ بوڑھو گر و منہ بائے
(اندر) (بوڑھا منھ پھیلا کر گر پڑا)
سات سکھی مل بڑھوا اٹھائن بڑھوا سیندر ہہراو
(بڈھے) (ٹکاو)

چھوٹے سیاں نادان سے گمان کریں رے
پنیا بھرن گئے سنگھ لگے بلما، ماروں رسریا جھرائے کے
(پانی) (ساتھ)
(رسی)

دیا دیا کریں دیا سے میا کریں ہاتھ جوڑیں پیاں پڑیں
چھوٹے سیاں نادان ....
روٹی کرن گئے سنگھ لگے بلما، ماروں بلنا جھرائے کے
(بیلن)

دیا دیا کریں دیا سے میا کریں ....

جو کچھ بھی ہو دیہاتی بہوؤں کے دل میں ساس سسر کی جو عظمت اور عزت ہے، وہ شہریوں کے پاس نہیں۔ شوہر گاؤں میں رہتا ہے۔ گنگا اشنان کا زبردست میلا ہے، کئی مہینے کی راہ ہے۔ بیوی سے اپنا ارادہ ظاہر کرتا ہے، بیوی ناخوش نہیں ہوتی، اپنا اور بچوں کا واسطہ نہیں دلاتی۔ باپ کا خون سفید ہوگیا کہہ کر طعنہ نہیں دیتی۔ وہ کس قدر پاکیزہ جواب دیتی ہے۔

ماتا پتا کے دھوتیا پکھارو، اِن ہی ہیں گنگا تہار
(ماں باپ کی دھوتی دھوؤ) (یہی ہیں گنگا تمہاری)

دیہاتی عورت کی جب آنکھ کھلتی ہے تو اس کے ذمے کتنے فرائض عائد ہوجاتے ہیں، اور وہ اپنے گھر میں کس درجہ کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ سچ پوچھئے تو ادعائی ملکہ کے مقابلے میں وہ گھر کی لونڈی بن کر بھی "ملکہ" ہے اِس کا

اندازہ آپ کو خود ان دو گیتوں سے ہو جائے گا۔

بھور بھوئی چڑیان چھپانی ، سندر سا انگنا بڑھاریں بڑھنی لے
(صبح ہوئی چڑیاں چھپائیں) (سندر آنگن جھاڑیں جھاڑو لے کر)

بڑھنی تو رکھی اوئے کوئے ، سندر گوبرا چلی ہیں چھٹنیا لے
(جھاڑو رکھ دی کونے میں) (گوبر) (ٹوکری)

چھٹنیا تو دھرن اوئے کوئے ، سندر پنیا کو چلی ہیں رسریا لے
(ٹوکری) رکھ دی (پانی) (رسی)

گگری تو دھرن ہیں کنواں کی جگت ، سندر نہاریں گھونگھٹوا سے

کونے جونیا تیلن گھنیا لگاوے رے
(کس وقت) (گھان)

کوئے جونیا کوئل ری سدھی سناوے کہ کونے جونیا رے
(بولی)

آدھی کی رتیا تیلن گھنیا لگاوے کہ پچھلی رتیا نا
(رات)

کوئل ری سدھی سن کے جاگے سانور گوریا بڑھنی لے کے نا
(سانولی) (نام ہے) (جھاڑو)

سندر انگنا بڑھوریں بڑھنیا لے کے نا
(آنگن)

سندر چلیں ساگر گگریا لے کے نا

(تالاب) (گھڑا)

گگریا بور بور دھنا دھریں کنروا کے جو ہے لاگے نا

(کنارے) (دیکھنے لگی)

پردیسی جی کی بٹیا کو جو ہے لاگے نا

(راہ)

ٹیگور نے جو بات چمپا فلاور Champa Flower میں پیش کی ہے۔ ان گیتوں میں ایک عورت کی روزانہ زندگی کا نقشہ اس سے کسی طرح کم نہیں کھینچا گیا۔

دھوبی، دھوبن سے کہتا ہے۔

دھوبن! موٹی موٹی لٹی (روٹی) لگالے

صبح تڑکے تو چلنا ہے گھاٹ

دھوبی ادھر اُدھر گپ شپ کر رہا ہے

حقے اور چلم کی فکر میں مست ہے

بچاری دھوبن اکیلی کھڑی

کپڑے دھوتی ہے بیچ گھاٹ

ایک کم سن لڑکی جو ابھی بیاہ کر سسرال میں آئی ہے۔ جس کا گھونگھٹ ابھی نہیں بڑھا ہے، زیور پہن کر کس طرح کام کرتی ہے اس کو اسی سے سُنئے۔

دیکھو گوئیاں کیسا رواداری کنگنا

کنگنا بہن ہم انگنا بڑھویں

کوڑے میں پھینک آئے کنگنا ہم اپنا

دیکھو گوئیاں! کیسا رواداری کنگنا

کنگنا بہن ہم روٹیا کرن گئے   چھوڑ آئے چولھے میں کنگنا

دیکھو گوئیاں! ....

کنگنا بہن ہم پنیا بھرن گئے   گرائے آئے جھمکا ہم اپنا

دیکھو گوئیاں! ....

ماں بیٹے کی آمد پر کس طرح خیر مقدم کرتی ہے۔

میاں آویں دور سے

گھوڑا باندھیں کھجور سے

میاں آویں، علی علی

پھول بکھیروں گلی گلی

میاں آویں دور سے

پاؤں جھاڑوں دھور سے

(اگرد)

الغرض اگر آپ مختلف قسم کے گیت اسی نیت سے پڑھیں اور سُنیں تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ اہیروں کے برھوں میں، گڈیوں اور گڈریوں کے چھکروں میں دھوبیوں۔ چماروں کے گیتوں میں۔ چکی اور چرخے کے

راگوں میں زچہ بچہ سے لے کر مرنے تک کے تمام واقعات کی معلومات ہوتی ہے۔ رسم ورواج، کھانوں، کپڑوں اور زیورات کے نام، فصلوں کے بیانات، میلوں اور تہواروں کی معلومات اور ان کی دلچسپیاں آپ کی نظروں کے سامنے ہوں گی

گیتوں میں تاریخی جھلک گیت محض تفریح طبع کے لئے نہیں گھڑ لئے جاتے۔ بعض بعض گیت ایسے ہیں جو تاریخی واقعات پر روشنی ڈالتے ہیں اور وہ خاص موقع کی مناسبت سے بنائے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ لوری لیجیے۔

آگرہ ملتان صدقے ، سارا ہندوستان صدقے
کابل اور قندھار صدقے ، لونڈی کا گھر بار صدقے

صاف ظاہر ہے کہ اس لوری سے اُس تاریخی بات پر روشنی پڑتی ہے، جب حکومت مغلیہ میں افغانستان شامل تھا۔

لمبی لمبی دھوتی اور اودی اودی پگڑی
ڈھال، تلوار، کٹار اور چھری ساجن تم مجھے چھوڑ گئے
دلی بازار چلے رے ساجن
جاٹ اور مرہٹے پل پڑے رے ساجن ....
ساجن ہوئے سلطان کے صدقے
ساجن لال ہو کر رن میں پڑے ساجن تم مجھے چھوڑ کر چلے گئے

اس گیت کا تعلق اس زمانے سے ہے جب دہلی کو مرہٹوں اور

جاٹوں نے رزم گاہ بنا رکھا تھا۔

اتنا بچن سُنی پاتن ت ، یہی رَن بَن میں
(بات) (سنکر) (زائد)

دلہا کھینچ لی ہین تروریات یہی رَن بن میں
(تلوار)

ٹھاڑھے ایک اور مغل پچاس ت یہی رَن بن میں
(کھڑے)

دلہا ایک اور ٹھاڑے اکیلے ت یہی رن بن میں

دلہا مور دھرم لیتو راکھی ت یہی رن بن میں
(عصمت) (رکھ لی)

دلہا ہم تہرے ہاتھ بکان ت یہی رن بن میں
(بک گئے)

کوئی دولھا اور دلہن جنگل سے گزر رہے ہیں۔ دلہن خوف زدہ ہے اور اپنی جیسی دلہنوں کے چھن جانے کی داستان اپنے شوہر کو سناتی ہے۔" اتنا سن کر شوہر نے تلوار کھینچ لی۔ ایک دولھا اور پچاس مغلی مقابلے کے لئے تیار ہیں، عورت اپنے شوہر سے التجا کرتی ہے کہ میری لاج رکھ لو، میں آج سے تمہاری زرخرید لونڈی ہوں۔

یہ گیت اس زمانے کی یاد دلاتا ہے جب راستے اتنے محفوظ نہ تھے، اور مسافروں کو اسی قسم کی دشواریوں سے واسطہ پڑتا تھا۔

سندھی گیتوں میں بعض گیت اس عہد کی یاد دلاتے ہیں جب عربوں نے وہاں اپنا تسلط قائم کر رکھا تھا، ایک لڑکی گرفتار ہو کر آئی ہے. وہ اجنبی عربوں میں گھبرا رہی ہے اپنے گھر کے لئے بے چین ہے. آپ دیکھئے کس طرح حضرت عمرؓ کے انصاف کی دہائی دیتی ہے اور طنزیہ دھمکی بھی دیتی جاتی ہے.

میں آپ کے دئے ہوئے ریشمی کپڑے کیا کروں
میں تو جس دن سے یہاں آئی ہوں اپنے کھیت یاد آتے ہیں
رہ رہ کر بیرو کے پھل توڑنے کو جی چاہتا ہے
میں ریشمی کپڑے نہیں پہنوں گی اور نہ اطلس کے بچھونے پر لیٹوں گی
مجھے تو موٹے جھوٹے کپڑے کی انگیا چاہیئے.
اے عمر! اگر آپ انصاف کرکے گھر پہنچا دیں گے
تو یقین جانئے، میں اپنی سہیلیوں سے آپ کے انصاف کے
گیت گاؤں گی. نہیں تو بدنام کر دوں گی......

مسلمان دیہاتی عورتیں محرم کے دوران میں ایک قسم کے گیت گاتی ہیں جن کو دھایا شہیدی کہتے ہیں، ان کے لئے گانے کا لفظ استعمال نہیں ہوتا ہے. بلکہ دھے رونا کہا جاتا ہے. یہ گیت کربلائے معلیٰ کے اُس حادثے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو دس محرم کو پیش آیا تھا. دھوں میں جنگ کے واقعات ہوتے ہیں.

نمونہ ملاحظہ فرمائیے.

(۱)

نو رے گھوڑے نو رے بچھڑے
نو سو تلنگے ان کے ساتھ میں
چھریا کٹریا باندھ کے دینا اپنی کیتے لیت ہیں
واری تمہارے راج میں رجوا سپہیا دکھ دیت ہیں
نورے گھوڑے نو رے بچھڑے

---

(۲)

جنگل سے نکلی ھارنی دوبیا چرن کو جائی رے
(ھرنی دوب چرنے جارہی ہے)
اے ھارنی ہشیار رہنا مرتجا گولی بھرے آئے رے
(مرتضیٰ)
لال جوڑا لال گھوڑا لال نشان پھرائے رے
گھائل ہوئی کے چلے امتی ان کے ساتھ رے
واری میں تیرے بیاہ کے جمنا رنڈاپا دے لی چلے
جنگل سے .... (اہلیہ عبداللہ پھالوی)

اسی طرح غدر ۱۸۵۷ء کے ایک باغی سرغنا کنور سنگھ کے بارے میں بہار کے صوبے میں بہت سے دیہاتی گیت گاتے ہیں جس سے غدر کے واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک گیت اس طرح ہے۔

لکھی لکھی پتیا کے بھیجن کنور سنگھ
(خط) (بھیجا)
اے سن امر سنگھ بھائے ہو رام
(بھائی)
چمڑا کے ٹڑوا دانت سے ہو کاٹے کہ
چھتری کے دھرم نساۓ ہو رام
بابو کنور سنگھ او بھائی امر سنگھ
دونوں اپنے ہیں بھائی ہو رام
بتیا کے کارن سے بابو کنور سنگھ
فرنگی سے ہو ریڑھ بڑھائے ہو رام
دانا پور سے جب سجلک ہو کمپو
کو نکور ہیں رہے بچھائے ہو رام
لاکھ گو لا تھو کے گنی کے ہوی ہوں
چھوڑ بڑھوا کے راج ہو رام
رووت باڑے بابو تو کنور سنگھ
مکھوا پر دھر کے روال ہو رام
لے لی لڑئیا ہم تو بڑھا ہو سمایں ہیں
اب کون ہوئی ہیں حوال ہو رام

کنور سنگھ نے امر سنگھ کے پاس ایک خط لکھ کر بھیجا۔ اے بھائی

سُنو! چمڑے کے کارتوس دانت کے کاٹنے سے چھتری دھرم چلا جائے گا ۔

کنور سنگھ اور امر سنگھ دونوں بھائی تھے۔ کسی بات کے سبب سے دونوں نے انگریزوں سے لڑائی ٹھان لی، داناپور سے انگریزوں کا کیمپ اٹھا تو کوئلور میں ڈیرے خیمے پڑ گئے۔ انگریزوں نے کہا، گن کر لاکھ گولے ماروں گا ورنہ بڑھوا کا راج چھوڑ دو، کنور سنگھ منہ پر رومال رکھ کر رو رہا ہے کہ افسوس میں نے بڑھاپے میں لڑائی مول لی ہے، نہ جانے کیا حالت ہوگی۔

گیتوں میں نصیحت اسی طرح بہت سی ایسی مثالیں مل سکتی ہیں جو تاریخی واقعات پر روشنی ڈالتی ہیں جس طرح دیہاتی گیت حزن و یاس کی تصویر ہیں، اُسی طرح یہ گیت عبرت اور نصیحت کا مرقع ہیں اور ان میں پند و نصائح اسی طرح پوشیدہ ہیں جس طرح شیلی کے اس قول میں :-

Like a poet hidden
In the light of thought

مردوں اور عورتوں کی نفسیاتی ذہنیت اور کیریکٹر کا جو خاکا ان گیتوں میں کھینچا گیا ہے اور اس سے جو نصیحت حاصل ہوتی ہے، وہ صاف طور پر ظاہر ہے، بے جوڑ شادی، لڑکیوں کی بُری حالت، ساس کا بُرا سلوک ہونے پر بھی بہوؤں کو جس کریم النفسی کی تعلیم ان گیتوں میں دی گئی ہے اس کی نظیر دوسری جگہ ملنا دشوار ہے آپ اس کو ملاحظہ فرما چکے ہیں ۔

زن و شوہر کے تعلقات، ساس بہو اور نند کے برتاؤ کو کس خوبی سے سلجھایا ہے، شوہر کی عظمت، اس کے ماں باپ کی عزت، بے وفا شوہر کی

خدمت اور اس سے محبت کرنے کی جو تعلیم ان گیتوں میں ہے، اس کی تصویر نہ تو ناولوں میں ملتی ہے اور نہ سینمائی پردوں پر، بہو کا فرض اور اس کی کم سیم النفسی دیہاتی والدین کی اپنی لڑکی کو نصیحت، کل کی لاج سنبھالنے کا جو نظریہ ان گیتوں میں پیش کیا گیا ہے اس کی جیتی جاگتی تصویریں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، بزرگوں کی خدمت کرنا اپنے دشمنوں تک سے اچھا سلوک کرنا۔ شوہر کی بدسلوکی کا جواب خدمت اور انکسار سے دینا، نوکروں چاکروں سے رحم سے پیش آنا۔ بہوؤں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا۔ چغل خوری اور غمازی سے بچنا، عصمت اور لاج کی قیمت جان سے ادا کرنا۔ سب کی دعائیں لینا وغیرہ دیہاتی گیتوں کے کھلے ہوئے پند ونصائح ہیں۔ آپ ایک گیت پڑھیے۔

کسی شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "ذرا بچھونا بچھا دو" بیوی نے جواب دیا۔

سونے کا مورا نیہر روپوا کواڑی لاگے ہو
راما سات بھیا کے ایک بہنی سیجریا کیسے ڈاسوں ہو

میرا میکا سونے سے بھرا ہے۔ میرے مکان میں چاندی کے کواڑے لگے ہیں۔ رام جیسے سات بھائیوں کی میں ایک بہن ہوں، بچھونا کس طرح بچھاؤں۔

شوہر کو بیوی کا یہ غرور بہت بُرا معلوم ہوا اور بولنا چھوڑ دیا، بیوی نے اپنی ساس سے کہا، اُن کے پوچھنے پر شوہر نے اپنی ناراضگی کا سبب بتا دیا اب بیوی کی آنکھ کھلی اور سمجھی۔ دیکھیے وہ کیا جواب دیتی ہے۔

مائی کے مورا نیہو سو پوا کواڑی لاگے ہو

ساسو سا تو کنگری بجاویں بہن موری ناچے ہو

مٹی کی طرح میرا میکا ہے جس میں سوپ (سرکیوں) کے کواڑے لگے ہیں آپ کی ساس (میری ماں) کنگری بجاتی ہے اور میری بہن ناچتی ہے۔ اس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کا خاندان کچھ بھی نہیں اور بہت ذلیل ہے شوہر اتنا سُن کر خوش ہو گیا اور معاف کر دیا، پھر کبھی جھگڑا نہیں ہوا۔

معلومات میں اضافہ دیہاتی گیتوں میں صدہا ایسی چیزوں کا ذکر ہے جو امتداد زمانہ اور انقلاب کے ہاتھوں ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔ کپڑوں میں بیسیوں ایسے نام ہیں جن کو آج کل لوگ نہیں جانتے۔ کپڑوں کی فہرست اِس طرح پر ہے، آپ غور فرمائیے کہ ان میں سے کتنی چیزیں اب معدوم ہیں اور بہتیری تو ایسی ہیں جن کے نام تک فراموش ہو گئے ہیں۔

اوڑھنی۔ دوپٹا۔ پٹو۔ چدر۔ چنری۔ انگیا، کرتی۔ جھلیا، لہنگا، پیشواز، ازار، کمرپیچ، لنگرا، دلائی، دوھر، دھوتی، پاٹ پتمبر، رامی انگوچھا، چولی۔ چیرا، پاگ، پگڑی۔ پگیا، صافہ، پیچ بند، پٹکا، انگرکھا، ازگا، مرزئی۔ بنڈی، شلوکا، جامہ، جتیا، داوٹی، تیلک، گھنگرا۔

شادی بیاہ کے سلسلے میں جن چیزوں کے نام آتے ہیں، وہ اِس طرح ہیں۔

منگنی، تلک، شربت پان، بر دکھائی، مایوں، یا مانجھے بٹھانا۔ مانجھا بہنانا۔ مانجھا کرنا، جوڑا باگا۔ بدھاوا، رتجگا۔ دلھن چھوا، دنت رنگا۔

گھڑے بھرنا۔ پنجتن کھلانا۔ بی بی کھلانا، ڈالا بری۔ چڑھاوا۔ سہاگ پڑا۔ چنیا جتا۔ سہرا۔ مکنا، بدھی، لولاسی مارنا۔ گھوڑ چڑھائی۔ مور۔ مکٹ، ٹونے کھلانا جلوا (جلوہ) سولہ سنگھار۔ مہندی لگانا۔ مانگ بھرنا۔ سیندر۔ چندن۔ چوکھ چراغ، تھال بھرنا۔ تھال کھلانا۔ ڈھویا، ڈالا۔

زیورات کی تفصیل اس طرح ہے۔

جھومر، بلینڈی، بینڈیا، ٹیکا، کٹیا، نتھ، لٹکن۔ لالڑی۔ بالی۔ بالے۔ کرن پھول، جھمکا۔ بجلی، مچھلی، آویزا، بندا۔ پات۔ ہنسلی، طوق، حمیل، زنجیر، تلڑی۔ پنج لڑی، ست لڑی، گلوبند، مالا۔ کنٹھیا۔ کیل۔ پھول۔ لونگ، بازوبند، لونگا، جوشن، ٹنڑیا، چوڑی۔ چھنی، پہنچی، چوہے دتی۔ پچھیلا۔ کڑا۔ کنگن، آرسی۔ عطردانی، چھلا، انگوٹھی، بانک، انگشت دانہ۔ کردھنی جھانجھ، پازیب، پائلا، چھاگل، چھڑے، الوٹ، بچھوتے۔

کھانوں کا ذکر ہوچکا ہے۔ مگر ذرا ان ناموں پر غور فرمائیے۔

موچھی، انڈھل، منگچھی، لپٹی۔ لیٹا، گڑھی۔ پنجیری، آتسی، خدائی رحم، کھڑدہی، لپچی، بڑھی۔ سوکھورا۔ سکھرن۔ شکرانہ، تھال۔ بھوری۔ ان میں سے کتنے نام ہم لوگ جانتے ہیں۔

اس کے علاوہ صدہا ایسے دیہاتی الفاظ ملتے ہیں جن کے مترادف ہم شہریوں کے پاس نہیں۔ مثال کے طور پر اُبہنی اور رسّی لیجیے۔ دیہاتی رسی یا شہری عام رسی کو کہتے ہیں۔ مگر اُبہنی پانی بھرنے کی رسی کو کہتے ہیں۔ اگر ان کو شہری بول چال اور تحریر میں رائج کردیں تو زبان میں وسعت کے

ساتھ عام فہمی پیدا ہو جائے گی۔ ہم ان کی فہرست علیحدہ دیں گے۔

گیتوں کی عمومیت اور قسمیں گانا اور رونا انسانی فطرت کا جزو ہے۔ اس لئے گیت بھی بہت عام اور وسیع حار رکھتے ہیں۔ پیدائش سے لے کر مرنے تک گیت ساتھ دیتے ہیں۔ ہندوؤں میں تو ہر کام کے لئے گیت مخصوص ہیں مسلمانوں میں البتہ مذہب اور علماء کے اثر سے گیتوں کا رواج کم ہو رہا ہے مگر فطرت کو بدلنا اور اس سے لڑنا بہت دشوار ہے، وہاں بھی اس کا رواج ابھی تک ہے، آپ یہ پڑھ کر تعجب کریں گے کہ آخر مرنے کے موقع پر گیت کیوں کر گائے جاتے ہوں گے، آپ گجرات کے دیہاتوں کی سیر کیجئے، پھر دیکھئے کہ موت جیسے المناک موقع پر کس لطف سے گیت گائے جا رہے ہیں، کوئی بچہ مر گیا ہے اور عورتیں ایک دوسرے کے گلے لگ لگ روتے روتے گاتی جا رہی ہیں۔

هائے هائے رے، سرووری انی پالے رے
هائے هائے رے، انولیانی ڈالے رے
هائے هائے رے، رم تے لونا دی ٹھوکنور رے
هائے هائے رے، سگھلاں سروور جو بالی رے
هائے هائے رے، سگھلی نشالو جویو
هائے هائے رے، نادی ٹھو بھنترتو کنور رے
هائے هائے رے، سگھلا اورڑا جویا رے
هائے هائے رے نادی ٹھو جبتو کنور رے

ہائے ہائے رے، سگھلوں کٹم جویوں، رے

ہائے ہائے رے، نادی ٹھو کا کانے محولے رے

ہائے ہائے رے، میں نے تالاب کا کنارہ۔ آم کی ڈالی۔ سب جگہ دیکھ ڈالا۔ کہیں کنور کو نہ پایا۔

ہائے ہائے، میں نے تمام پاٹھ شالے دیکھ ڈالے میرا کنور کہیں پڑھتا ہوا نہیں دکھائی دیا۔

ہائے ہائے رے، میں نے ساری کوٹھریاں دیکھ ڈالیں۔ میرا کنور کھاتا ہوا کہیں نہ دکھائی دیا۔

ہائے ہائے رے۔ میں نے سارا کنبا دیکھ ڈالا۔ کاکا کا دلارا بیٹا کہیں نہ دکھائی دیا۔ (اگرام گیت ترپاٹھی)

اگر گیتوں کی نوعیت پر ایک سرسری نظر ڈالیں تو ان کی ذیلی تقسیم اجمالی طور پر اس طرح ہو سکتی ہے۔

(۱) بچے کی پیدائش کے گیت۔ ان کو ہمارے اودھ کے دیہاتوں میں سریا اور پوربی ضلعوں میں سوہر کہتے ہیں۔ بعض جگہ ان کو سوہلو بھی کہتے ہیں۔ مگر ان کا شستہ نام "منگل گیت" ہے۔ یہ گیت مسرت وشادمانی کا مرقع ہوتے ہیں۔ بیٹے کی پیدائش پر خوشی، زچہ کی خوش قسمتی اور دوسرے اعزا کے لئے فخر کا پیام ہوتا ہے۔ مگر وہ گیت جن میں بانجھ عورتوں کی داستانیں بیان کی جاتی ہیں، درد اور الم کی جیتی جاگتی تصویریں اور حزن و یاس کا مجسمہ ہیں۔ یہ گیت اکثر و بیشتر عورتیں خود بنا لیتی ہیں اور وزن و قافیے کی قید

سے بالکل آزاد ہوتے ہیں، سُراور سرگم پر بھی پورے نہیں اُترتے۔ لیکن عورتیں جس وقت گانی بجاتی ہیں تو کھینچ تان کر اس طرح پورا کر لیتی ہیں کہ آپ کوئی غلطی ذرا مشکل سے پکڑ سکیں گے۔

(۲) شادی بیاہ کے گیت ان کو سہانا کہتے ہیں۔ یہ بھی منگل گیتوں میں شامل ہیں اور بالکل اسی طرح ہوتے ہیں۔ لیکن گانے کی لَے بدلی ہوتی ہے اور شادی کی مختلف رسومات کے وقت کے لئے عجیب عجیب گیت ہیں مسلمانوں میں جو گیت لڑکے والے کے یہاں گائے جاتے ہیں ان کو بنرا اور لڑکی والوں کے وہاں کے گیت بنری کہے جاتے ہیں، اسی طرح دوسرے موقعوں پر جو گیت گائے جاتے ہیں وہ زیادہ تر مزاحیہ اور فحش ہوتے ہیں۔ جلوے کے وقت کے گیت ٹونے کہے جاتے ہیں، ان گیتوں میں ایک چیز بابل ہے۔ جو لڑکی کی رخصتی کے وقت گائی جاتی ہے۔ یہ گیت معنی خیز، عبرت انگیز اور پُر درد ہوتے ہیں، لڑکی کے درد فراق، سسرال کے جدید تعلقات وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے۔

(۳) جنیو کے گیت، ان گیتوں میں مذہبی اثر غالب ہوتا ہے۔ لڑکا وید پڑھنے، گنگا اشنان کرنے، ماتا پتا کی سیوا وغیرہ کی خواہش کرتا ہے اور یہ گیت جنیو کی وقتی رسومات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

(۴) ختنے کے گیت۔ ہندوؤں میں جنیو اور مسلمانوں میں ختنہ لڑکے کے لئے مذہبی رسمیں ہیں۔ ختنے کے وقت وہی گیت گائے جاتے ہیں جو شادی کے موقعہ پر۔

(۵) چکی کے گیت - چکی کے لئے پورب میں جانتی کا لفظ رائج ہے اس لئے ان کو جانت کے گیت کہتے ہیں۔ ہمارے اودھ میں چکی، چرخے کوٹو، نرائی، جوتائی اور محنت مزدوری کرتے وقت جو گیت گائے جاتے ہیں، ان کو لیچاری کہتے ہیں۔ کام کاج کرتے وقت یہی گیت غریب دیہاتیوں کو تسلی دیتے ہیں ان کا دل بہلاتے ہیں اور ہمت ٹوٹنے نہیں دیتے۔ ممکن ہے کہ خستگی اور ماندگی بھی دور ہو جاتی ہو اور اس طرح ان کے دکھ درد میں یہی گیت ڈھارس بندھاتے ہیں۔ یہ گیت زیادہ تر مکالموں کی صورت میں ہوتے ہیں اور بعض بعض تو کہانی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، ان میں عورتوں کی پاک دامنی، صبر و استقلال، بے بسی اور بے کسی کے جذبات پائے جاتے ہیں بعض بعض گیتوں میں ہنسی مذاق کی باتیں بھی ہوتی ہیں۔

(۶) چرخے کے گیت (۷) میلوں اور تیوہاروں کے گیت۔

(۸) ساونی وہ گیت ہیں جو ساون کے مہینے میں جھولے پر گائے جاتے ہیں۔ ان گیتوں میں جاذبیت بہت زیادہ ہوتی ہے، اور بہت شیریں لب و لہجے اور میٹھی لے میں گائے جاتے ہیں۔

(۹) بھکاریوں کے گیت (۱۰) نمتی کے گیت

اودھ میں بالخصوص مسلمان کسانوں میں ایک رسم ہے کہ جب گیہوں اور چنے کی فصل ہوتی ہے تو کھیت سے اناج لانے کے بعد چنے کی دال اور جو یا گیہوں کی روٹی پکا کر بانٹی جاتی ہے، اس کو نمتی کہتے ہیں، ان گیتوں میں زیادہ تر امید افزا خیالات پائے جاتے ہیں۔

(۱۱) برھا اور چہکرا، اہیروں، گدیوں، گھوسیوں، گوالوں اور گڈریوں کے مردانے گیتوں کو پوربی ضلعوں میں برہا اور اودھ میں چہکرا کہتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر شجاعانہ جذبات پائے جاتے ہیں اور بہت بلند آواز سے عجیب طرح سے گائے جاتے ہیں۔

(۱۲) لوریاں شہر اور دیہات دونوں جگہ رائج ہیں۔

(۱۳) ویرگاتھا، ان میں بہادری کے کارنامے بیان کئے جاتے ہیں اور بڑے جوش و خروش سے گائے جاتے ہیں۔ جیسے آلھا۔ هیر رانجھا وغیرہ آپ آلھا سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا ملاحظہ فرمائیے اور اندازہ کیجئے کہ کس درجہ جوش و خروش ہے اور الفاظ کس قدر موزوں و مناسب ہیں

مر مر مر مر ڈھالیں بولیں، کھن کھن تیر کمان چلائیں
گھم گھم گھم گھم بجیں نگاڑے، مارا مارا پڑے سنائیں
جھل جھل جھل جھل جھلیم چمکے، نیلم رنگ پڑے دکھلائیں
چم چم چم چم تیغا چمکے، دمکیں چھری کٹاری آئیں

گیت اور خانہ داری گیتوں کی دنیا میں خانہ داری اور گھر گرہستی کا اعلیٰ نمونہ راجا دشرتھ کی زندگی کو مانا گیا ہے، یعنی رام جیسا سعادت مند اور لائق بیٹا ہو، لچھمن جیسا مخلص بھائی اور اطاعت شعار دیور ہو، سیتا جیسی وفادار اور خدمت گذار، شوہر پرست اور ستی بیوی ہو، کوشلیا کی طرح رحم دل ساس ہو، سوبھدرا جیسی نیک بہن اور نند ہو، گیتوں کی دنیا میں اس بارے میں ہندو اور مسلمان کا کوئی فرق نہیں مسلمان عورتیں

بھی ان ہی کے راگ گاتی ہیں، دیہات کے بسنے والوں نے مستم ظریفی یہ کی ہے کہ نام تو ان لوگوں کے رکھے ہیں مگر اپنی ذاتی معاشرت کی باتیں ان کے سر تھوپی ہیں۔ اہیروں کا ایک گیت ہے جس میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے۔

رام کی بگیا اور سیتا کی پھلواڑی
دیور لکشمن کریں رکھ واری
لیمو توڑ توڑ کر بھیجیں سسراری
اس لیمو کی بنے ترکاری

خیر، رام چندر کے باغ اور سیتا کی پھلواری میں لکشمن نگہبانی تو کر سکتے ہیں، مگر لیمو توڑ کر سسرال بھیجنے اور اس کی ترکاری بننے کا کون سا تک ہے۔ شاید اہیر ایسا کرتے ہوں گے، اسی طرح چماروں کے ایک گیت میں سیتا جی سے چکی پسوائی گئی ہے اور سیتا جی پسینے پسینے ہو کر پنکھا جھلتی جاتی ہیں۔ اسی کے ایک گیت میں بتایا گیا ہے کہ سیتا جی ساٹھ سو دور چرایا کرتی تھیں۔

یہ تو ہوئی موٹی سی ایک بات پھر بھی گھر کا نمونہ گیتوں میں اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ گھر صاف ستھرا ہوا ور لیپا پتا ہو، دروازے پر کوئی سایہ دار درخت ہو، کنواں ہو جہاں کیلے کے درخت ہوں اور ان پر کوئی پھولدار بیل چڑھی ہو۔ کنوئیں پر رستی پڑی ہو۔

عورت صبح اٹھ کر جھاڑو بہارو اور دوسری خانگی ضروریات میں

مشغول ہو جائے، مرد کھیتی باڑی کے کام میں لگ جائیں، کئی ہل چلتے ہوں گڑ، گھی، ستو اور بھنے چنے گھر میں بھرے ہوں سسر کے آنے پر بہو گھونگٹ نکال کر اس کے لئے چلم بھر دے، وہ دروازے پر پیڑھی پر بیٹھا ہو اور آنے جانے والوں کو حقہ پیش کرے گڑ ستو سے ان کی مہمان نوازی کر دے تو اور بھی اچھا، مرد دبے پاؤں اپنی بیوی کے پاس جائے سسرال والوں کو دونوں عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔

گیت اور شادی | گیتوں کی دنیا میں سیر کرنے سے شادی کے متعلق پتہ لگتا ہے کہ پرانے زمانے میں شادی اپنی اپنی پسند سے ہوتی تھی، لڑکا اور لڑکی خود ہی اپنی مرضی سے شادی کی کوشش کرتے تھے۔ جب دونوں سمجھ دار ہوتے تھے اس وقت یہ رسم ادا کی جاتی تھی۔ لڑکی بر کی تلاش اور شوہر کی خصوصیات بتاتی تھی، اور یہ کوئی ناممکن بات نہیں معلوم ہوتی، اس لئے کہ ہندوؤں میں سوئمبر کی رسم تھی، یا یہ بھی ممکن ہے کہ بڑوں نے اپنے تجربات لڑکی، اور لڑکے زبانی ادا کر دئے ہوں۔ بہر حال جو کچھ بھی شادی کا نمونہ دیہاتی گیتوں میں اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ لڑکے اور لڑکی کی پسند بہت ضروری ہے۔ ایک لڑکا لڑکی کی تلاش میں نکلا ہے

کونے کی اونچی اٹریا سورج مکھ چھائی
کن گھر کنیا کماری ت دلہو چاہی اے

کس کے اونچے سورج مکھی مکان میں کنواری لڑکی ہے۔ جہاں بر کی ضرورت ہے۔ لڑکا اپنی پسند والی لڑکی کے گھر آکر بیٹھ گیا۔ اور اپنا سوال

پیش کیا۔ لڑکی کے بھائی کو غصہ آیا، وہ مارنے کے لئے دوڑا۔ مگر لڑکی اس کو پسند کرچکی تھی وہ بھائی کو منع کرتی ہے اور کہتی ہے

جن مارو پوت تپسیا جنم میرو کو کھے اِی ہیں۔

جس تپسی لڑکے کو آپ مار رہے ہیں (اگر وہ نہ رہے) تو میرا جنم کون کھیئے گا۔

ایک دوسرے گیت میں لڑکی کہتی ہے۔

بابا ہے چلیں مور ور ھیرن پاٹ پتمبر ڈاری
چھوٹے دیکھ بابا کرے نا کرہیں بڑا نہیں نجر سمائی
ارے ارے بابا سگھرور ھیرو ہم بیٹی نہری دلاری
تین لوک ماں ہم بڑی سندر ھنسی نہ کرایو موری

"میرے باپ چدر ڈال کر میرے بَر تلاش کرنے چلے ہیں۔ اے بابا! میرا بَر بالکل چھوٹا نہ ہو اور نہ بڈھا ہو جو میری نظر میں نہ سمائے میں آپ کی دُلاری بیٹی ہوں، اس لئے سگھڑ اور اچھا بَر تلاش کرنا میں زمانے کی ایک حسین لڑکی ہوں ایسا بَر نہ تلاش کرنا کہ میری ہنسی ہو۔"

ایک گیت میں لڑکی بَر کی یہ صفات بیان کرتی ہے۔

"بَر سبز گھوڑے پر سوار ہے۔ بڑا بہادر کہ کرک چھیتر میں اپنی بہادری کا جھنڈا گاڑ سکتا ہے۔"

پنجابی گیت میں لڑکی بتاتی ہے:۔

چنگا دے بابل گھر ور ٹول اچھا جہا نگر سوھا دنا ھرے رام رام

"اے باپ! اچھا شوہر، اچھا گھر اور سہاونا شہر میرے لئے ڈھونڈو"
مارواڑی لڑکی کو دیس پردیس کی پروا نہیں، وہ موزوں اور مناسب جوڑا چاہتی ہے۔

بابا جی دیس دیتا پردیس دیجو مہاری جوڑی کو ور ڈھیر جو"

اس کے بعد اس نے تفصیلی طور پر شوہر کے اوصاف بتائے ہیں
اے باپ! شوہر کالا نہ ہو، وہ ننگ خاندان ہوگا۔ گورا بھی نہ ہو وہ کام نہ کرے گا، لمبا بھی نہ ڈھونڈھنا، وہ تاڑ چھونے کے لئے ہوگا چھوٹا اور بونا بھی نہ ہو، اس پر لوگ ہنسیں گے۔ اے باپ ایسا بر ہو جو کاشی میں پڑھنے کے لئے رہ چکا ہو۔ (بہت تعلیم یافتہ ہو)

گجراتی لڑکی بھی اسی قسم کی باتیں بتاتی ہے۔

"اے دادا جی! لمبا بر نہ ڈھونڈھنا، اس لئے کہ وہ اونٹ کہلائے گا۔ چھوٹا بھی ڈھونڈھنا، وہ ٹھنگنا کہا جائے گا اور موٹا بھی نہ ہو، اُس کو لوگ بھوندو کہیں گے۔"

بچہ شوہر کی حالت آپ دیکھ چکے ہیں جس میں عورت نے اپنے شوہر کو چوہے سے تشبیہ دی ہے۔ بڈھے شوہر کا مذاق اس طرح اُڑا گیا ہے۔

پانچ برس کی موری رنگ رنگیلی اسیا برس کا داماد
نکر نہ آوے تو موری رنگ رنگیلی اجگر ٹھاڑ وو دار

ان سب سے ظاہر ہے کہ دولوں کی مرضی اور پسند بہت ضروری ہے اور

یہی جہیز شادی کا اصل مقصد پورا کرلیتا ہے۔ اسلام نے اس سے کہیں زیادہ جانبین کی رضامندی کو لازم رکھا ہے اور ایجاب قبول کا یہی منشا ہے۔ مگر افسوس ہندوستانی مسلمان اور اب ہندو بھی نہ لڑکی سے پوچھیں اور نہ لڑکے سے، دونوں کو شادی کی رسّی اور دھر کی زنجیر میں کسنا ضروری ہے اور سب سے زیادہ تعجب تو اُن دیہاتیوں پر ہوتا ہے جن کی عورتیں اس قسم کے گیت بھی گاتی ہیں پھر بھی بے جوڑ بیاہ ہوتے جارہے ہیں۔ ناسمجھ بچوں کو شادی کی بیڑیاں پہنائی جارہی ہیں۔

گیت اور بہوئیں | گیتوں میں بہوؤں کی جو دردناک حالت دکھائی گئی ہے، وہ عبرتناک اور قابل اصلاح ہے۔ سسرال میں دھان کوٹنے گیہوں پیسنے۔ پانی بھرنے، برتن مانجھنے، کپڑے دھونے پھٹے پرانے کپڑے سینے، گھر جھاڑنے، چوٹھا پوتنے، کوڑا پھینکنے، گوبر پاتھنے، جھڑکیاں سہنے کے سوا بہو کا دوسرا کام نہیں ہے اس پر بھی ساس جلی کٹی سناتی ہے۔ اور نند تو ہر وقت چھری لئے تیار ہے۔ بہو کی بیماری کا نام کام سے جی چرانا ہے غرض کہ بہو کی زندگی دکھ اور درد کا مجسمہ ہے۔ تعجب ہے کہ یہی بہو جب ساس بن جاتی ہے تو یہی برتاؤ روا رکھتی ہے اور اپنے تمام آرام فراموش کر دیتی ہے بہو کا بھائی اس سے ملنے آیا ہے وہ ساس سے دریافت کرتی ہے کیا پکائے۔ گھر میں سب کچھ موجود ہے مگر ساس کیا کہتی ہے، اس کو اُسی کے الفاظ میں سنئے۔

کوٹھی لی بہوار سرلی کو دائیا رے نا
بہوار میرّدا ستّوا اڑھے کا سگوارے نا

"کوٹھیا میں سڑی ہوئی کودوں بھری ہے اور بینڈ پر مسوڑ سے کا ساگ ہے"
ذرا سوچئے غریب بہو کے دل پر کیا گزری ہوگی اور ساس کا یہ سلوک کہاں تک شریفانہ ہے۔

بہن اپنے بھائی سے کام کی زیادتی کی اس طرح شکایت کرتی ہے۔

کے من کوٹوں بھیّا کے من پیسوں رے نا
بھیا کے من سمجھوں رسوئیا رے نا
ساس کھاچی بھر بسنا منجا وے رے نا
ساس پنیا پاتال سے بھرا دے رے نا

ایک گیت میں بہو نے کنبے والوں کا خاکہ کس خوبی سے اڑایا ہے

ساس تو اے بھیا بڑھیا ڈوکریا اُجو مرے کہ کالھ رے
نندی تو اے بھیا بَن کی کوئلیا اُجو اُڑے کی کالھ رے
جٹھانی تو اے بھیا کاری بدریا چھن برسے چھن گھام رے
دیورانی تو اے بھیا کو نیکی بلریا چھن نکرے چھن پیٹھے رے

اتنا سب کچھ کہنے کے بعد بہو شرافت اور غیرت سے کام لیتی ہے، وہ فتنہ انگیز بہن نہیں ہے، اس لئے اپنے بھائی سے استدعا کرتی ہے کہ میرے دکھ درد کو کسی اور سے نہ کہنا اور ان سب کو بھول جانا

یہ دکھ باندھو بھیا اپنی گٹھریا
جہواں ندیا بڑے بہاؤ رے

اتنا ہونے پر بھی بہو کے دل میں ساس سسر کی عظمت ہے اور وہ اپنے

آپ کو شوہر کی خادم سمجھتی ہے۔

گیتوں میں ساس کا نقشہ گیتوں میں ساس کے کیریکٹر کا جز اعظم اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

جھی کلجگ میں ساس بری ہے ، ساس کی دھن لڑوے میں لگی ہے

گویا "لڑنا جھگڑنا" اس کے کیریکٹر کا جز اعظم ہے اور یہ چیز اس کی گھٹی میں پڑی ہے، دوسری چیز اس کی بدظنی اور بداعتمادی ہے، وہ اپنی بہو سے بدظن رہتی ہے، اس پر بھروسا نہیں کرتی یہاں تک کہ اس کی عصمت اور لاج پر دھبا لگاتی ہے، کوئی بہو پڑی سو رہی تھی، ہاتھ میں بانس کی پنکھیا تھی۔ حالاں کہ وہ پنکھیا اس کے شوہر نے اپنی ماں سے چھپا کر اس کو دی تھی، مگر ساس کی بدظنی کی آگ بھڑک اٹھی، اب آگے کا حال ان ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

بنیا ڑ لاوت آگئی نندیا بڑگئی ساس کی بجریا ہو رام

کہاؤں نہ بھوا ترا بھیا بھتیجوا کون چھیل بنیا دھس ہو رام

کوئی بہو گنگا اشنان کرنے گئی، رستے میں کسی نے اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ بیچاری بہو نے اپنی لاج بچانے کے لئے یہاں تک کیا کہ اپنی گردن پر خون کٹار لیا، اور اس بدکار کا کام تمام کر دیا۔ اس طرح واپسی میں اس کو دیر ہو گئی۔ ساس کیا خیال کرتی ہے "موئی نگوڑی بہو اب تک واپس نہیں آئی۔ اس کے باپ اور بھائی کو کھاؤں، نہ جانے کہاں رک گئی، کسی سے آنکھ لڑائی ہو گی"

سنگدلی، بے رحمی، بے جا تعصب، بدگوئی، غیبت، وغیرہ ساس کے

کیریکٹر کی دوسری خصوصیات ہیں۔

اس سے دو باتیں صاف طور پر عیاں ہو گئیں، اول تو یہ کہ دیہاتی گیت بنانے میں زیادہ حصہ نوجوان عورتوں کا ہے، دوسری بات یہ کہ اس قسم کے گیتوں سے عورتوں کی ذہنیت پر بہت برا اثر پڑا، اور ان کا دماغ اسی قسم کی بدظنیوں کا آماج گاہ بن گیا ہے جس کا فطری نتیجہ ساس بہو کی دوامی کشیدگی ہوا۔

گیتوں کا مستقبل | دیہات رہتی دنیا تک رہیں گے اور دیہاتی بھی، انسانی فطرت بھی اپنے حال پر باقی رہے گی، ممکن ہے کہ زمانے کے انقلاب کے ساتھ کچھ تغیر و تبدل ہو جائے، دیہاتی گیتوں میں وہ دل کشی ہے کہ اس نے دیہاتیوں سے نفرت کرنے والے شہریوں کو بھی اپنی طرف راغب کر لیا اور وہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور دیہاتی جذبات کی ترجمانی اپنی زبان میں کرنے لگے، ان کی آزادی کو قافیے اور وزن کی زنجیروں میں جکڑ دیا، فلمی دنیا کے مکالمے نگار اور گیت شاعر، اس کام میں بڑی سرگرمی سے حصہ لے رہے ہیں، اس بارے میں آرزو لکھنوی کی کوششیں بہت کامیاب ہیں، جو جذبات اور زبان دونوں کے لحاظ سے قابل تحسین ہیں مقبول احمد پوری۔ اندرجیت شرما۔ امر چند قیس۔ مطلبی وغیرہ کی توجہات میں خلوص کی جھلک نظر آتی ہے۔ عرش ملسیانی صاحب کا ایک گیت، جس کے بول ہیں۔ "چل میرے گورے چل چل چل" کسانوں کے جذبات کی بہترین ترجمانی کرتا ہے اور وہ اس سے کہیں زیادہ پر لطف اور دل کش ہو جاتا اگر وہ الفاظ بھی سہل اور عام فہم استعمال کرتے۔

اب میں دو گیت پیش کرتا ہوں جن سے گیتوں کے مستقبل پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔ پہلا گیت مطلبی صاحب کا ہے، جس کو ہمایوں نے محفل ادب میں چنگاری سے نقل کیا ہے۔ یہ گیت الفاظ اور جذبات کے لحاظ سے دیہاتی گیتوں کا اچھا نمونہ ہے اور ڈرامائیت کے ساتھ ساتھ رومانیت کی جھلک پائی جاتی ہے۔ یہ گیت ملاحوں کا ہے۔

چلو چلو چلو چلو بڑھو بڑھو بڑھو بڑھو
چلو بڑھو بڑھو بڑھو

ناؤ میں بیٹھی راجہ کی نار، پانو ناچیں بارم بار
پائل دے اِی رہی جھنکار ڈھولک بولے گرڈ گرڈ تار
تالی باجے بولیں تار گونج رہے دریا سنسار
رانی کی ناؤ کے کھیون ہار دھوپ میں ہماری ناؤ منجدھار
چلو چلو چلو چلو
بڑھو بڑھو بڑھو بڑھو

پیٹ کی آگ سے ناؤ چلے چلے چلے چلو چلے
رسی کے گھسوں سے چھاتی جلے جلے جلے چھاتی جلے
منجل (منزل) ماریں گے دی لے بلے دئے دئے بلے
کشت برے نا کشت بھلے ہم برے وہ بھلے

چلو چلو، چلو چلو
بڑھو بڑھو بڑھو بڑھو چلو بڑھو بڑھو بڑھو

دوسرا گیت شہریان سید محمد خلیل کا ہے، جو آلھا کے طرز پر لکھا گیا ہے۔ اور ہل میں شائع ہوا تھا، اس گیت میں کسانوں کے لئے چند نصب العین پیش کئے گئے ہیں۔ یہ گیت غالباً گرام سدھار کی سعی کا نتیجہ ہے، زبان ملاحظہ ہو، کس درجہ آورد اور تصنع سے کام لیا گیا ہے۔

سنو کسانو تم ھردے سے ساپنچی تم سے کری بکھان
کاہے کھیتی کی ننذا بھئی کاہے بھا تمھرا ایمان
دودھ پیاؤ تم بچھڑن کا کاٹونا تم ان کا پیٹ
رھے جو بھوکا پتر گؤ کا کوڑی سے نہ ہوئی بھینٹ
پیٹ بھرو بیلن کا پہلے، پاچھے پیٹ ماں روٹی جائے
سمجھو آپن من سے بھائی پتر گؤ ماتا کا آئے

گیت بہت لمبا ہے، اس لئے میں نے تھوڑا سا نمونے کے طور پر نقل کر دیا ہے۔ ہندی زبان کے کویوں نے بھی مستقل طور پر گیت لکھنا شروع کر دئے ہیں، مگر سچ بات تو یہ ہے کہ نہ تو ان میں موسیقیت ہوتی ہے اور نہ کوئی رس۔

دیہاتی اب بھی گیت گاتے ہیں اور بناتے بھی ہیں، وہ چپ چاپ نہیں بیٹھے ہیں، زمانے کے لحاظ سے زبان، جذبات اور طرز ادا میں تھوڑا بہت تغیر بھی ہو رہا ہے، صاحب دین ایک مسلمان دیہاتی نوجوان ہے۔ تلاش معاش میں اپنے گاؤں سے کلکتہ گیا، وہاں اس کی جو حالت ہوئی، اس کا خاکہ اس نے اس طرح کھینچا ہے، ہم محض اس کے خیالات نقل کرتے ہیں خط کشیدہ الفاظ اسی کے ہیں۔

کلکتہ شہر (جو) بھاگیرتی کی لہر (پر آباد ہے۔

چیت پورا کا بازار چھوڑا
کلکتہ گل زار چھوڑا
مقام کرپان گنج میں مزدوری کرنے گیا
(جہاں) کام کرتے کرتے بدن کا چمڑا سوکھ گیا
پادری اپنی طرف بلاتا ہے
سیٹھ اپنی طرف دوڑاتا ہے
کس مطلب کا گل زار شہر کلکتہ
اس سے تو صاحب دین کا گاؤں بھلا

دوسرا گیت اسی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے، نام ظاہر کرتا یقیناً شاعر وں سے تخلص کی نقل ہے، زمانے کے تغیر کے لحاظ سے سودے کی چیزوں پر غور فرمایئے، دیہاتی عورت ٹیسو اور ہر سنگھار کے پھولوں کی بجائے رنگ خرید رہی ہے۔

ترپا ہے ایک جوان
بلیاں پڑیں دونوں کان
سودا لے ای بنیئے کی دکان
اک پیسے ہیں لونگ الائچی ، اک پیسے کا دھنیا
اک دکڑے کا رنگ لے لیں رنگوے کا اوڑھنیا
کہیں صاحب دین ان کو چڑھی جوبنیا

سودا لے ای ککڑی بنئے کی دکنیا

دیہاتیوں اور شہریوں دونوں کی اجتماعی کوشش سے پتا لگتا ہے کہ دیہاتی گیتوں کا مستقبل بہت درخشاں ہوگا اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ دیہاتی گیتوں کے مبسوط مجموعے اور تنقیدیں ہاتھوں میں ہوں گی۔

گیتوں کے متعلق معلومات کے ذرائع

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ادیبوں اور نقادوں نے اس طرف مطلق توجہ نہیں کی۔ حالاں کہ دوسرے ممالک نے اس چیز کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا، اور دیہاتی گیتوں پر بہت سی مبسوط کتابیں دستیاب ہیں۔ ہمارے یہاں ہندی زبان میں شریمان رام نریش ترپاٹھی نے ''کویا کومیدی'' کے نام سے ایک کتاب قلمبند کی ہے، جس کی کئی جلدیں ہیں اور ایک جلد گرام گیتوں پر مشتمل ہے جس کا نام گرام گیت ہے، اس میں ایک مبسوط مقدمہ اور گیتوں کا کافی ذخیرہ ہے۔ انتخاب زیادہ تر پوربی ضلعوں کے دیہاتی گیتوں پر مشتمل ہے۔ مگر مقدمہ نہایت عمدہ اور کارآمد ہے، ہم نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھا ہے اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ دیہاتی گیتوں پر اس سے عمدہ ابھی تک کوئی چیز ہمارے سامنے نہیں ہے۔

دیوندر ستیارتھی صاحب نے دیہاتی گیتوں پر اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں اکثر مضامین لکھے ہیں، جو اردو کے رسالے ہمایوں، ہندی کے وشال بھارت اور مادھوری، انگریزی کے ماڈرن ریویو میں شائع ہوتے رہے ہیں، انہوں نے ہندوستان کی تمام زبانوں کے دیہاتی گیتوں کا مجموعہ

شایع کرنے کی غرض سے تمام ملک کا دورہ بھی کیا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے اس ارادے میں کامیاب ہوئے یا نہیں اور اس قسم کا کوئی مجموعہ شایع بھی ہوا یا نہیں، اردو میں دیہاتی گیتوں کا چھوٹا سا مجموعہ، اعظم کریوی صاحب نے تیار کیا ہے۔ جو عصمت بک ڈپو دہلی سے شایع ہوا ہے۔ لیکن میں نے اس مجموعے کو نہیں دیکھا اور نہ اُن کا کوئی مضمون اس کے متعلق نظر سے گذرا، اس لیے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس کی کیا نوعیت ہے۔ انگریزی اور دوسری زبانوں میں دیہاتی گیتوں پر کثیر تعداد میں کتابیں ملتی ہیں اور ان کی فہرست بہت لمبی ہے۔ ہم نے جن کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ان کی فہرست آپ دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیے۔

گیتوں کی اہمیت اور ہمارا فرض

دیہاتی گیت کیا ہیں اور ان میں کیا ہوتا ہے۔ تھوڑا بہت آپ نے جان لیا، اس سے یقینی طور پر آپ اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ دنیا کی ہر قوم خواہ وہ پرلے درجے کی غیر متمدن ہی کیوں نہ ہو ادب کے ایک ایسے ذخیرے کی مالک ہے جو ایک نسل سے دوسری نسل تک سینہ بسینہ محفوظ چلا آتا ہے، یہ ذخیرہ ہمارے قدیم تمدن اور معاشرت پر روشنی ڈالتا ہے اور ہمیں قدیم معاشرت کے مطالعے کا موقعہ دیتا ہے۔ اس سے دیہاتی گیتوں کی اہمیت صاف ظاہر ہے۔ یہ گیت سادہ لوح دیہاتیوں کے جذبات کے آئینہ بردار ہیں جن میں اپنی قدیم معاشرت کے معائب اور محاسن کی جھلک نظر آتی ہے، ہماری معاشرت کی ادنیٰ ادنیٰ باتوں کو بے کم و کاست ہمارے سامنے رکھتے ہیں اور دیہاتی ترقی و اصلاح کے اسباب اور ذرائع میں معاونت

کرتے ہیں، دیہاتی گیتوں کی قدر دانی تمام مہذب ملکوں اور قوموں نے کی ہے اور ان کی اہمیت کو ملحوظ رکھ کر ان کا ذخیرہ یک جا کرکے ان کو محفوظ کر دیا ہے اس لئے ہمارا فرض بھی یہی ہونا چاہیئے کہ اس چیز کو ضائع نہ ہونے دیں اور اس سے فائدہ اٹھانے کے مواقع تلاش کریں۔

دوسری بات یہ ہے کہ بہت سے دیہاتی الفاظ ایسے ہیں جن کے مترادف الفاظ شہریوں کی زبان میں نہیں ملتے، اور شہری کئی مقصدوں کے لئے ایک ہی لفظ استعمال کرتے ہیں، مثلاً اھارنا چھیلنا، اُگیلنا، اُچارنا۔ اگرچہ سب کا مقصد چھیلنے ہی سے ہے، لیکن ان پانچوں میں تھوڑا سا فرق ہے جس کو دیہاتی بخوبی جانتے ہیں، اس لئے اس قسم کے الفاظ اگر محاورات کے دائرے میں آجائیں تو اچھا ہو۔

دیہاتی لفظ جو استعمال کے لائق ہیں

اگوارا ــــ مکان کے آگے کا حصہ

اہرا ــــ اُپلوں اور کنڈوں کو جلانا اور اس پر کھانا پکانا

اوہنوں ــــ نہیں

الہنا ــــ طعنہ

اھارنا ــــ ان گڑھ لکڑی کو برابر کرنے کے لئے تھوڑا تھوڑا چھیلنا اور کاٹنا

آنٹھی یا انٹھی ــــ مٹھے میں جمی ہوئی چیز۔

اسدھی ــــ اسدی۔ کاہل

اُکیلنا ــــ کھال یا چھال چھیلنا جو ذرا سا ادھیڑنے سے بلغیر رکاوٹ دور تک چلی آئے۔ اُدھیڑنا

اچارنا ــــ جڑ سمیت آسانی سے اکھاڑنا

اُڑھری —— وہ عورت جو اپنے شوہر
کی زندگی میں الگ ہوگئی ہو،
یا بھاگ کر دوسرے کے
پاس چلی گئی ہو۔

اُڑہرا —— رنڈوا یا اڑھری کا مذکر

الواد یا اتپات —— شرارت، خصوصاً
بچوں کی

اُسینا —— بھپانا۔ بھاپ سے ابالنا
تھوڑا ابالنا۔

اُصار —— غلاف یا پردہ خاص
ڈولی کے لئے۔

بتیا —— چھوٹا اور کچا پھل

بٹوری —— بڑی رسوئی

برواہی —— کھیت کے چاروں طرف
حفاظت کے کانٹے اور جھاڑی

براؤ —— پرہیز

بانڑا —— وہ مرد یا عورت جس کا کوئی
عزیز نہ ہو۔ اکیلا

بوچا —— کن کٹا، مگر وہ عورت جو
کسی قسم کا زیور وغیرہ نہ پہنے ہو
ہم لوگ نرگا بُچّی ایک ساتھ
استعمال کرتے ہیں۔

پرچنا —— ہل مل جانا۔ جان پہچان ہونا

پہنا —— پرونا

پاٹی —— لکھنے کی تختی

پہان —— کوٹھیا کا ڈھکن، خاص
کر مٹی کا

پیڑھی —— پشت

پیپری —— سیٹی۔ دھات کے علاوہ
دوسری چیزوں سے بنی ہوئی
سیٹی۔

پھٹا —— لکڑی یا بانس کا چرا ہوا ٹکڑا

پھوکٹ —— مفت

پھوکٹیا —— مفت خور

تک —— بڑا ترازو

تاگنا یا تگیانا —— ڈورے ڈالنا،
سینا

تابڑ توڑ —— پے درپے۔

ترت پھرت — جلدی سے
تڑی بڑی — تتر بتر
توڑیا توڑا — کمی۔
توڑ — تلچھٹ
تنک — ذرا
جھوا — ارہر کے جھانکھڑ دل کا بنا ہوا بڑا ٹوکرا۔
جھوئی — ٹوکری
چٹک — تیز۔ شوخ
چٹکیلا — شوخ رنگ
چہلا — مٹی اور پانی سے کیچڑ کی جگہ
چکر — چالاک، مکار
چائیاں — کائیاں۔ مکار۔ دھوکے باز
چیرا کرنا — برباد کرنا
چیا — کچی املی
چھگری — بکری
ڈھکورنا — جلدی جلدی پانی پینا (حقارت کے لئے)
ڈاہ — حسد

ڈھکوسنا — جلدی جلدی کھانا لپکانا (حقارت کے لئے)
ڈھیپنی — آم کا وہ حصہ جو شاخ ملا رہتا ہے۔
رکھونی — کسی چیز کی حفاظت کی مزدوری
رپٹنا — پھسلنا
رہٹی — چرخی
روندھنا — کانٹے دار جھاڑی سے گھیرنا۔
روانی — روگ دانی۔ کھیل میں بے ایمانی کرنا۔
سہیجنا — سپرد کرنا۔ تاکید کرنا
ساڑھی — ملائی، بالائی۔
سانٹنا — ملانا
سوا — توتا
سینت میت — مفت میں
سوندنا — ملانا
گوتی — رشتہ دار
گورو — مویشی

گھار — شور

گوں — غرض

لگ لگانا — شروع کرنا

لڑھی — بیل گاڑی

لیجر — گائے کا نیا بیاہا ہوا بچہ

تھین — باریک

مرہا — یتیم - شریر

موٹری — گٹھری

ھلکورنا — ہاتھ سے پانی ہلانا

مشرقی اضلاع کے الفاظ جو استعمال میں لائے جاسکتے ہیں

اومی — گیہوں اور جَو کی ادھ پکی بالی جو بھون کر چبائی جائیں

اوبری — عورت کا وہ خاص کمرا جہاں اس کے شوہر کے سوا اور کوئی نہ جائے۔

بلونا — دھی متھنا

بروسی — آگ رکھنے کے لئے مٹی کا برتن

بہن — دھان کے پودے لگا کر پھر سے لگانا۔

بدورنا — منھ چڑھانا۔

بوکنا — خشک چیز پسنا

بھاجی — ترکاری

ہرئی — مٹی کی رکابی

ہروت — چمڑے کا پر۔

پرتیا — چرخی جس پر ڈور پیٹی جاتی ہے۔

چھریانا — پھیلانا

ٹکورا — بہت چھوٹے چھوٹے کچے آم

کھپٹا — کھپٹی۔ کنکری خاص کر چپٹا ٹکڑا

کھانچی — ٹوکری

کلکا — ہتھیلی۔ انگوٹھے یا پیر میں پڑا سا آبلہ یا پھوڑا۔

گھری — گھرا۔ کنڈی۔ کنڈا

چیلر — کپڑوں کی جوئیں

چرکی — ہندو مردوں کی چوٹی

چھیبی — پہیلی	موئی — موبخ کے بلوں سے بنی
ڈھونکا — ٹکڑا	ہوئی ڈلیا
ڈانکنا — پھلانگنا	دوری — بانس سے بنی ہوئی ٹوکری

دیباچہ لکھنے سے پیشتر جن کتابوں کا مطالعہ کرکے استفادہ کیا گیا۔

انگریزی (۱) انٹروڈکشن ٹو فاک لور۔ ایم آر کاکس

(۲) فوک لور سانگس آف سادرن انڈیا … سی۔ ای۔ گور

(۳) انسائیکلو پیڈیا برٹانکا۔

(۴) فوک لور ان سادرن انڈیا۔ شاستری

گجراتی (۵) لوک گیت، رنجیت رائے

بنگالی (۶) گیتکا میمن سنگھ

ہندی (۷) گرام گیت رام نریش ترپاٹھ

ڈھے

(عوامی مرثیے)

لوک گیتوں کی ایک اہم صنف ڈھے' (عوامی مرثیے) ہیں جو لوگوں کی نظروں سے بالکل پنہاں ہیں، ڈھے عوامی گیت ہونے کے باوجود بسم اللہ، ختنے اور جنیو، بھوبزی اور پھیروں کی طرح اپنا رستہ الگ الگ اختیار نہیں کرتے آج بھی دیہاتوں میں ایسی نظریں مل سکتی ہیں کہ تعزیوں کے جلوس میں ہندو اور مسلمان برابر کے شریک ہیں، تعزیوں کی قطاروں میں اگر مسلمان مرثیہ پڑھ کر ارباب جلوس پر رقت طاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو عقیدت مند بھگتن[1] اور کھٹکنی کی زبان سے یہ بول آپ سن سکتے ہیں اور خود ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ سکتے ہیں،

چھینکتے حسن میاں گھوڑا باہر نِدن   چھینکتے کھتن سوار

لوک گیتوں کی اس کڑی پر مذہبی عقیدت مندی (کی) اور عظمت کا اتنا گہرا رنگ چڑھا ہے کہ ان کے لئے گانے کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ "ڈھے رونا" مستعمل ہے۔

ڈھے کب اور کس طرح وجود میں آئے۔ ان میں پہلے پہل کس نے کہا اور

---

[1] ہندو دیہاتی عورتیں سوایت ضلع الہ آباد

اور آج ان میں کون کہہ رہا ہو ان سب کا تعین عام دیہاتی گیتوں کی طرح ناممکن سا ہے۔ لیکن چند دیہاتوں کا چکر لگانے کے بعد ایسا ضرور محسوس ہوتا ہے کہ چند دوہوں کی زبان عوامی ہونے کے ساتھ ساتھ قدیم اردو سے بہت ملتی جلتی ہے، اس وقت ہمیں پورا دوہا تو یاد نہیں رہا صرف ایک کڑی یاد ہے۔ جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

عورتاں ٹھاڑیاں لٹ جھرائیاں کریں بیاں
دُس موں نہار نہار ماریاں کلکاریاں

(عورتیں بال بکھیرے کھڑی تھیں اور بین کر رہی تھیں۔ دشمن دیکھ دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے) اردو میں مرثیہ نگاری دکن سے شروع ہوئی اور اب معلوم ہوتا ہے کہ دُوہوں کا وجود اس کے ساتھ ساتھ۔ بلکہ ہمیں تو یقین ہے کہ اس سے بہت پہلے ہو چکا ہو گا اور کیا عجب ہے کہ ردیف، قافیے اور دوسرے لوازمات شعری سے آزاد عقیدت مند عوام کے دلوں کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے یہ بول ہندوستان میں تعزیہ داری کے رواج کے ساتھ ساتھ وجود میں آگئے ہوں اور اس طرح مرثیئے سے ان کی عمر بہت زیادہ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مرثیے اردو شاعری کا ایک بیش بہا خزانہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ دُوہوں کی لفظی تک بندی ان کے سامنے کوئی وقعت نہ پا سکے اس لئے کہ مرثیوں اور دُوہوں میں نہ تو کوئی لفظی مناسبت ہے اور نہ معنوی، مگر یہ بات ضرور ہے کہ اگر مرثیئے احساسات اور جذبات کی ایسی تصویریں ہیں جن پر شعریت کا رنگ و روغن چڑھا ہے تو دُوہے احساسات اور جذبات کے ایسے مرقعے ہیں جنھیں

سیدھے سادے انسانوں کی عقیدتمندی اور خلوص نے بنایا ہے۔ مرثیوں میں آورد اور ڈھولوں میں آمد، مرثیے اپنے عناصر اور ٹیکنک کی پابندیوں میں جکڑے ہیں۔ اور ڈھے ان سب سے آزاد۔ ڈھولوں میں نہ کوئی ترتیب پائی جاتی ہے اور نہ تسلسل مرثیہ بیک وقت سراپا، واقعات، ذوالفقار، ذوالجناح، روایات وغیرہ سب کا ترجمان ہوتا ہے مگر "ڈھا" ایک وقت میں ایک ہی چیز پر روشنی ڈالنے کا ذمہ دار ہے، مرثیے طویل ہوتے ہیں اور ڈھے نہایت مختصر، اگر مرثیوں کا کنایہ صرف ایک شخصیت بتاتا ہے تو ڈھولوں کا ایک کنایہ اپنے میں متعدد شخصیتیں سموئے ہے۔

ڈھولوں میں "سید" حضرت امام حسینؑ بھی ہیں اور حضرت علی اکبر، حضرت عباسؓ بھی اور علی اصغر بھی۔ "بی بی" حضرت فاطمہ بھی حضرت سکینہ بھی، حضرت صغرا بھی اور کبریٰ بھی، حضرت زینب بھی اور حضرت کلثوم بھی "لال" ہر بچہ ہے خواہ حضرت علی اصغر ہوں یا حضرت فاطمہ کی زبانی حضرت امام حسینؑ اور حسنؑ۔ البتہ تلوار، دلدل، (ذوالجناح) کا ذکر الگ الگ بغیر کنائے کیا جاتا ہے۔ ایک بات اور ہے کہ حضرت امام حسین کی جگہ حضرت امام (حسن) کا نام لیا جاتا ہے۔

واقعات، اور روایات کے سلسلے میں ڈھولوں میں عوامی جذبات کی تصویریں اس طرح ملیں گی۔ حضرت صغریٰ بیمار تھیں اور حضرت امام حسین انہیں اپنے ساتھ لے جانے سے معذور تھے پھر بھی وہ بڑی آزردہ خاطر تھیں، میر انیس نے اس واقعے کو بڑی شد و مد کے ساتھ نظم کیا ہے مرثیے کا اسی مضمون کا ایک دوسرا نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔

پاس آن کے اکبر نے کی پیار سے تقریر　　　کیوں مجھ سے خفا ہو گئیں صغریٰ مری تقصیر

چلانے لگی چھاتی پہ مُنھ رکھ کے وہ دل گیر   محبوب برادر ترے قربان ہو ہمشیر
جلد آن کے بہنا کی خبر لیجو بھائی
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجو بھائی
جیتا ہوں تو لینے تمہیں آؤں گا مقرر   کیا جانئے لے جائے کہاں کو مقدر
ہو گا وہی لاریب جو کچھ حکم خدا ہے
پورا ہو وعدہ۔ تو وعدہ بھی وفا ہے
بھیا نے پوچھن کو نے کھتا پر روٹھی بھنیا   اَلّاہ روٹھی بھنیا۔
مونڈھا سے لگ کے مارن ڈڈکاریا   اَلّاہ رے ڈڈکاریا۔
جو بس چلتا بہن ہُوا جاتی واری رے   اَلّاہ واری رے
برنا نہ چھوڑتیوں اُمریا ساری رے
اب کے گئے بیرن کب کے آئے ہو
راہن پہ انکھیاں بچھوتی رہی ہے بھنیا رے   اَلّاہ واری رے
چٹھی پٹھے ہتوں مورے بہتی   کا ہے کو ہوت دکھیاری
اَلّاہ دکھیاری رے
سالے بھتیر لوٹ آئے ہتوں نہ ہو بہن   بے کراری رے
اَلّاہ بے کراری رے

اب آپ غور فرمائیے کہ مرثیہ نگار نے بہن سے جو اسقدر عاکرا ئی ہے اس میں شفقت کے ساتھ ساتھ طنز زیادہ ہے مگر دھاگو نے بہن کے جذبات کی حقیقی تصویر پیش کی ہے۔ اگر بس چلتا تو ساری عمر بھائی کا ساتھ نہ چھوڑتی

تمھارے انتظار میں میری آنکھیں راہ پر بچھی رہیں گی ....."
اس جذبے کا ایک دوسرا خاکہ ملاحظہ فرمائیے۔

اُڑ جا رے کاگا[1]
پہنچا دے بہن کا سندیسا
مورے برنا لینے کو آئے
اللہ لینے کو آئے ویرنا
اڑ جا رے کاگا
پہنچا دے دھریا کا سندیسا
مورے بابل لینے کو آئے
اللہ لینے کو آئے بابلا
اڑ جا رے سُگنا
پہنچا دے نا سندیسا
میں کلپ کلپ جھر جھاؤں
اللہ کلپ کلپ جھر جاؤں
مورے برنا لینے کو آئے
اللہ لینے کو آئے

عام لوک گیتوں کی طرح دھاکو بھی قدرت اور نیچر کا پرستار ہے۔

---

[1] عطیہ بتولن بوا (بہانی)

اگرچہ ہمیں ابھی تک صرف ایسے دو دُھے ملے ہیں جن میں کوّے اور توتے سے پیام بھیجا گیا ہے۔

کٹار باندھتے وقت وہ زار قطار رونے لگیں۔ شاید یقین ہو گیا کہ اب وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے ....."

یہ سب حادثات کیوں پیش آئے، دُھے گو بنے اپنے عقیدے کے مطابق پہلے ہی بتا دیا کہ سید نے جب گھوڑا تیار کیا اور جب سوار ہوئے تو کسی نے چھینک دیا تھا۔ توہمات کی پرچھائیاں تو مقتل حسین میں بھی ملتی ہیں۔ جو ادبی مرثیے ہیں۔

جنگ کے خاکے ملاحظہ ہوں

(۱)

"چھن چھن تلوار چل رہی ہے
سید (حضرت عباس) کی تلوار ناگن بن کر
راہ روکنے والوں کو ڈس رہی ہے
ہائے رے اللہ غضب ہو گیا
بازو کٹ کر گر پڑا
اور وہ مشک پیٹھ پر لادے
دوڑے چلے آ رہے ہیں"

۱؎ بھلنی بتوسط گلن میاں مرحوم

Al.3 / 274 (B)

(۲)

تلوار چل رہی ہے، چھری اور کٹار بھی
لاٹھی اور بلّم بھی کوکوں کے دھماکوں سے
زمین بھی ہل رہی ہے..........
اور بندوق کی آواز سے کان پھٹے جاتے
ہیں۔ سید (حضرت امام حسین) کی کراہ سے
آسمان رو رہا ہے۔..

دوسرے منظر میں دُھا بنانے والا اپنے ماحول سے کس درجہ متاثر نظر آتا ہے، اسے اس سے مطلب نہیں کہ اس وقت کیا ہوا تھا بلکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ ایسے موقعوں پر ایسا کچھ ہو سکتا ہے۔

گھوڑے کی تصویر عوامی مرثیے اس طرح پیش کرتے ہیں

(۳)

دلدل کی ننگی پیٹھ دیکھ کر اماں (حضرت فاطمہ
تڑپ گئیں اور دروازے پر آ کر اُس سے
پوچھا ہمار الال (حضرت امام حسن) کہاں
ہے، دلدل ہنہنایا اور اس کی آنکھوں سے
آنسو بہنے لگے.....؟

۲ء رسولن بُوا راجھا ضلع ہردوئی (۳) دلشاد بوا پہانی۔

اس سلسلے میں آپ کو نہ تو کوئی ترتیب ملے گی اور نہ تسلسل مگر یہ واقعات جذبات سے لبریز ملیں گے۔ مدینے سے حضرت امام حسین کی روانگی، مصائبِ سفر، حضرت صغریٰ کی فرقت میں بے چینی، حضرت عباس کا مشک بھر لانا، حضرت قاسم کی شادی، دُلدل (ذوالجناح) کا بائیں کرنا عون اور محمد کی شجاعت اور بہت وغیرہ کے بیانات وہاں ملیں گے، اگرچہ یہ سمجھنا اور اس کا تعین کرنا کہ واقعہ کیا ہے ذرا مشکل ہو جاتا ہے مثلاً "سید" مشک بھرنے نکلے ہیں سید حضرت عباس ہیں۔ سید کے سامنے ہاتھ جوڑے لال آئے ہیں سید امام حسین اور لال حضرت عون و محمد ہیں۔ اس ظالم کے گال پر لال نے تھپڑ رسید کر دیا ہیں ظالم یزید ہے اور لال حضرت زین العابدین ہو سکتے ہیں۔

ان بیانات میں ڈھاگو اپنی فضا اور ماحول تو پیدا ہی کر لیتا ہے ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے عقائد اور ذہنیت بھی سمو دیتا ہے۔ حضرت قاسم کی شادی کا واقعہ صحیح ہو یا غلط وہ اس کی تیاری اس طرح کرتا ہے کہ سید[1] گھوڑے پر چڑھ کر بزاز کی دکان پر پہنچے۔ بزاز کی لڑکی نے جھانک کر دیکھ لیا اور اپنے باپ کو بتایا کہ امام آئے ہیں، اس طرح ڈھاکار درزی کی دکان پر پہنچتا ہے اور وہاں سے وہ جامہ، پٹکا کمنا (مغبغ)، پاجامہ اور کرتا سلواتے ہیں، سکلاتی (بانات) جوتا، مالی سے ہار اور سہرا، منہار ن سے سہاگ کی چوڑیاں عطار سے عطر اور تیل پنساری کی دکان سے ناریل چھوہارا لیتے ہیں اور اس طرح شادی ہو جاتی ہے۔ اس ڈھیے میں ٹیپ کی کڑی یہ ڈھاگو رنا پیدا کرتا ہے جو بار بار آتا رہتا ہے۔

ان زیج چلے تر دریا رے

حضرت قاسم دولہا بنے کھڑے ہیں اور انہیں میدانِ جنگ میں جانا ہے "بی بی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں وہ چنری کے گھونگھٹ سے بڑوں کی آنکھ بچا کر اپنے شوہر کو دیکھ رہی ہے، اپنے ہاتھ سے ڈھال لگائی تلوار باندھی،

کربلا سے ایک لشکری مدینے لوٹا اور اماں حضرت فاطمہ اس سے اپنے لال کا حال

---

(۱) سید علی مومن رضوی

پوچھنے لگیں۔ لشکری جواب دیتا ہے۔ "تلوار چلی، گولی چلی اور تیروں کی بوچھار سے
بادل چھا گیا، خون کی ندیاں بہہ گئیں "سید" کے گورے گورے بدن سے پسینہ
ٹپک رہا تھا۔ میں اپنے امام پر مور چھل جھل رہا تھا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ دُلدل
وہیں تڑپ تڑپ کر رو رہا ہے۔"

یہ ہے ایک نہایت سرسری خاکہ ان عوامی مرثیوں کا جو عوام کے دلوں کی گہرائیوں سے عشرۂ محرم کے دوران میں ان کی زبانوں پر آ جاتے ہیں۔ مرثیہ خوان شاید مرثیہ خوانی کے دوران میں پانی پی لیتا ہو، اور ختم ہونے پر داد کا طالب دوسروں کو رُلانے کی کوشش میں ممکن ہے وہ خود رونا بھول جائے۔ مگر دُھے رونے والے نہ تو بیچ میں پانی پیتے ہیں اور نہ دوسروں کو رُلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بلکہ خود سنتے ہیں اور خود روتے ہیں اور یہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ان عوامی مرثیوں کی تخلیق اور بقا میں مردوں سے زیادہ عورتوں کا حصہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مردوں کا وجود اگر صفر نہیں تو اعتبار یہ ایک فی صدی سے زیادہ بھی نہیں۔ یہ ایک ایسا کلچرل سرمایہ ہے جو نائنوں، گدنوں، فقیرنوں، دھوبنوں کہارنوں، ملاحنوں وغیرہ کے سینوں میں محفوظ ہے اور جسے منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے